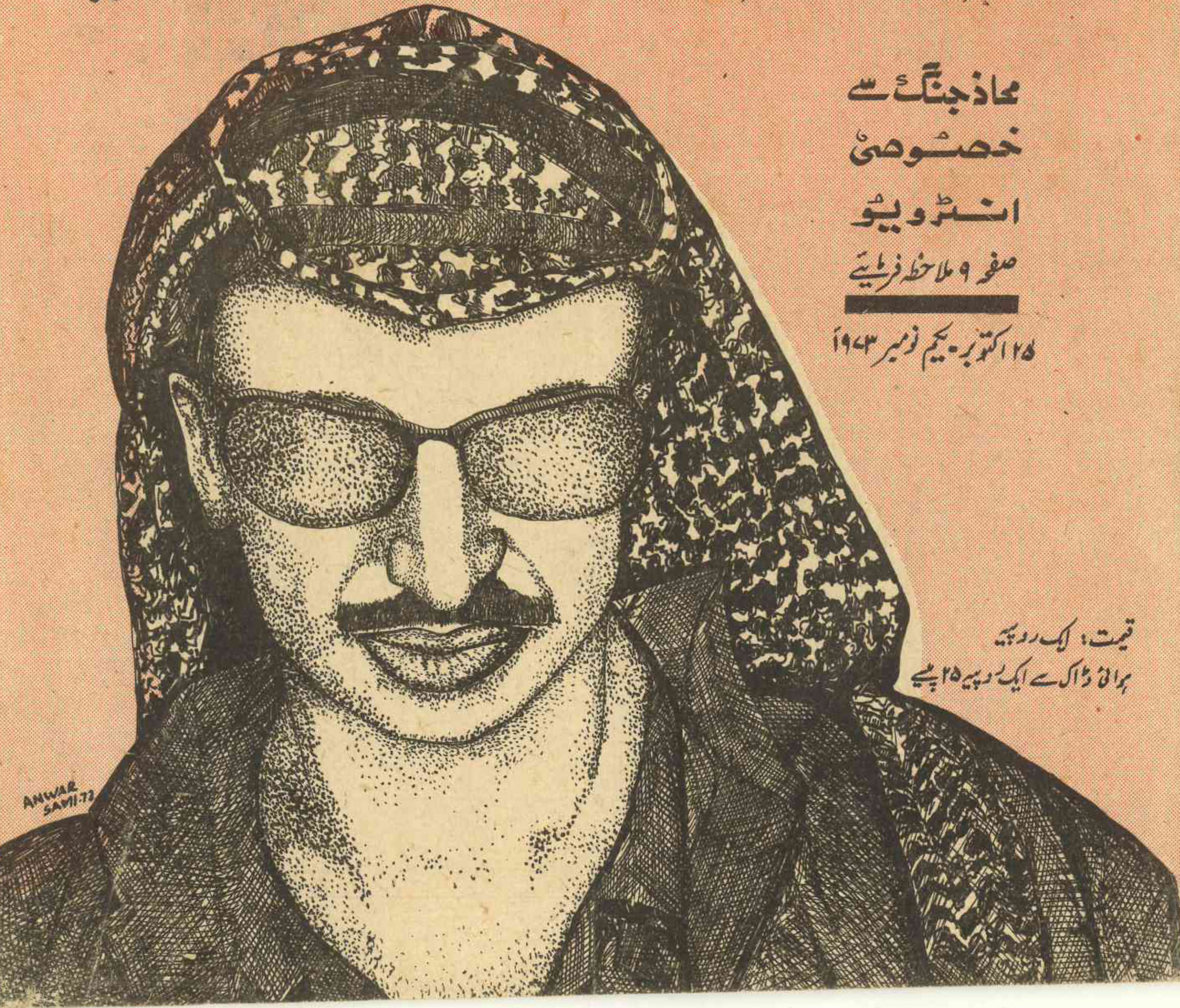
ہفت روزہ
الفتح
کراچی

مشرق وسطیٰ
اشاعت خاص - ۲

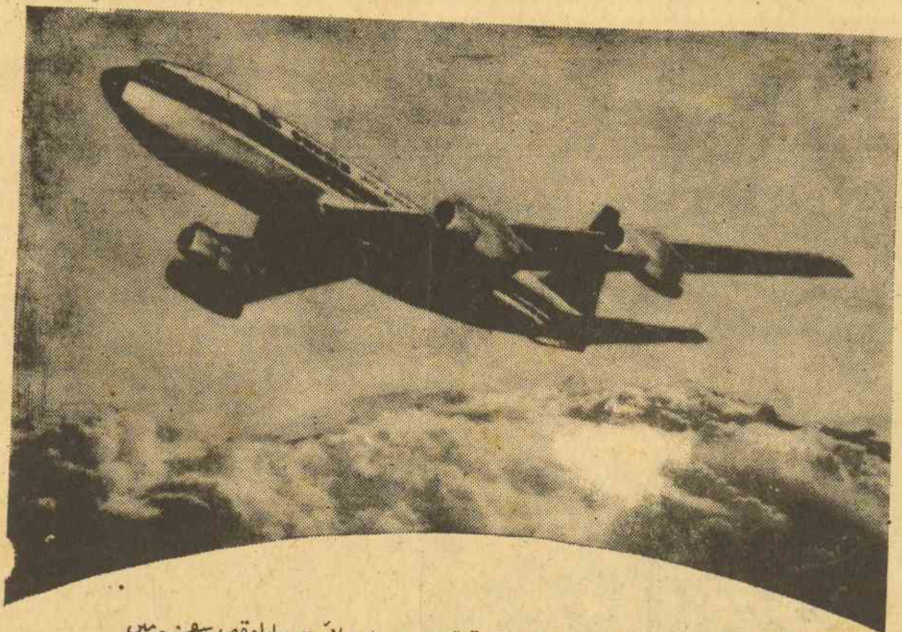
یاسر عرفات نے امریکہ اور روس کا فارمولا نامنظور کردیا

محاذ جنگ سے
خصوصی
انٹرویو
صفحہ ۹ ملاحظہ فرمایئے

۲۵ اکتوبر - یکم نومبر ۱۹۷۳



قیمت: ایک روپیہ
ہوائی ڈاک سے ایک روپیہ ۲۵ پیسے



خدا کی بستی کے مظلوم
عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح

ایڈیٹر
وہاب صدیقی

مشرق وسطیٰ
اشاعت خصوصی ۲۰ مئی

فون: ۴۱۲۲۷۴

جلد ۴ - شمارہ ۲۴

خاص مضامین

سرورق : انور سمیع
تزئین ایم - ایس - بھٹی

قیمت ، ایک روپیہ
ہوائی ڈاک سے
ایک روپیہ ۲۵ پیسے



ارشاد راؤ پبلشر نے حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد سے
چھپوا کر دفتر ہفت روزہ "الفتح" ۱۰-۵- ڈی - نرسری
کمرشل ایریا پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا



مشرقِ وسطیٰ امریکہ اور روس

۲۲۔ اکتوبر کو سلامتی کونسل نے روس اور امریکہ کی وہ مشترکہ قرارداد منظور کرلی جس کے تحت اسرائیل ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کے مقبوضہ علاقوں کو واپس کر دے گا اور بارہ گھنٹے کے اندر اندر جنگ بندی ہو جائے گی۔ عوامی جمہوریہ چین نے رائے شماری میں حصّہ نہیں لیا چین کے نمائندے نے اس موقع پر کہا کہ یہ قرارداد نہ امن نہ جنگ کی مظہر ہے اور اس سے امن قائم نہیں ہو گا۔ قرارداد کو اسرائیل نے تسلیم اور عراق نے مسترد کر دیاَ ہے۔ صدر انورالسادات (پرچہ پریس میں جانے تک) اپنے مشیروں سے مشورہ کر رہے ہیں۔ جب کہ شام کا بھی ردعمل کا علم نہیں ہو سکا —— اس کی وجہ بعث پارٹی کی اکثریت کا وہ موقف ہے کہ انہیں روس اور امریکہ کا مشترکہ امن فارمولا منظور نہیں بلکہ مکمل فتح تک جنگ جاری رہے گی، ممکن ہے بین الاقوامی دباؤ کے تحت شام کی حکومت اسے تسلیم کرے تاہم عرب عوام اور تنظیم آزادیٔ فلسطین کو یہ منظور نہیں۔

عرب، اسرائیل جنگ کے بارے میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ امریکی سامراج کو بین الاقوامی سیاست میں ویتنام کے بعد دوسری بڑی شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ عربوں نے اپنے مثالی اتحاد اور عرب کاز کے حصول کے لئے جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ عرب دُنیا میں اسے اپنے سب سے بڑے اعتمادی سعودی عرب اور پھر اُردن کی بھی کھلی حمایت حاصل نہیں ہو سکی۔ شاہ فیصل نے انتہائی دانشمندی اور عرب قوم پرستی کا ثبوت دیا اور اعلان کیا کہ امریکہ نے اسرائیل سے متعلق اپنے رویّے میں تبدیلی نہ کی تو سعودی عرب سفارتی تعلقات منقطع کرلے گا۔ انھوں نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ تیل کی سپلائی میں دس فی صد تک کمی کر دی۔

امریکی سامراج نے ویت نام میں ذلت آمیز شکست کے بعد اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل کے لئے مشرقِ وسطیٰ کا انتخاب کیا تھا۔ اُس نے اپنے پنجے گاڑنے کے لئے متعدد ایسے اقدامات کئے جن کا مقصد جنوبی ایشیاء کو بھی اپنا محکوم بنانا تھا۔ جنوبی ایشیاء میں روس کی غلط پالیسیوں اور اس کے اتحادیوں کے توسیع پسندانہ عزائم کی وجہ سے امریکہ کو ایسے مواقع میسّر آ گئے کہ وہ اپنی شرائط پر بعض حکمرانوں کو جھکنے پر مجبور کر دے، بنگلہ دیش کے قیام میں روس نے جو کردار ادا کیا، اُس سے جنوبی ایشیاء اور مشرقِ وسطیٰ میں روس کے خلاف ردِّ عمل ہوا جس کے نتیجے میں مشرقِ وسطیٰ کے چند ممالک اور جنوبی ایشیاء میں امریکہ کو مضبوط اتحادی مل گئے۔ جنہوں نے علی الاعلان نکسن حکومت کی پالیسیوں کی تائید کی۔

روس برس ہا برس سے مشرقِ وسطیٰ میں اپنے اثرات بڑھانے میں مصروف تھا۔ عرب ممالک میں مصر کو روس کا بہترین اتحادی کہا جاسکتا ہے۔ روس، امریکہ کی ان چالوں سے نہ صرف باخبر تھا بلکہ اُسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ امریکہ، روس کے مشرقِ وسطیٰ میں اثرات ختم کرنے کے لئے سر توڑ کوششوں سے کام لے رہا ہے۔ جنوبی ایشیاء کے بعض حصوں میں روس نے جوابی کارروائی کی اور امریکہ نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔

عربوں نے حالیہ جنگ کے دوران یہ ثابت کر دیا کہ وہ عرب پہلے ہیں اور بعد میں کچھ اور۔ شاہ فیصل —— نے اسی قوم پرستی کے تحت امریکہ کی بجائے عربوں سے قربت کو مضبوط کیا۔ شروع میں یہ خیال تھا کہ روس اور امریکہ نے باہمی صلاح مشورے کے ساتھ مشرقِ وسطیٰ میں جنگ کروائی ہے تاکہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کروا لیا جائے اور اس کے عوض اسرائیل مقبوضہ عرب علاقے واپس کر دے، یہ خیال بہت حد تک درست ثابت ہوا۔ امریکہ اور روس مشرقِ وسطیٰ میں بزعم خویش جس دیرپا اور مستقل امن کے فارمولے پر عمل کروانا چاہتے ہیں۔ اس کا واضح مقصد یہی ہے مگر موجودہ جنگ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب دُنیا میں اس فارمولے سے اختلاف کرنے والوں کی اکثریت ہے۔

شام کے صدر جناب اسد نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ ہماری جنگ مکمل فتح تک جاری رہے گی۔ اور فتح صرف اور صرف تل ابیب کو نیست و نابود کرنے کے بعد ہی حاصل ہو گی۔ ادھر تنظیم آزادئ فلسطین کا مؤقف بھی یہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شام میں برسرِ اقتدار بعث پارٹی کو امریکی اور روسی فارمولہ قبول نہیں۔ جس کی وجہ سے جناب حافظ الاسد کو یہ اعلان کرنا پڑا نیز یہ کہ شام اور عرب دُنیا تنظیم آزادئ فلسطین کے مؤقف کی حامی ہے اور وہ فلسطینی عوام کو ان کی مقدس سرزمین واپس دلانے کا پختہ عزم کئے ہوئے ہیں۔

ان حالات میں اقوام متحدہ نے روس اور امریکہ کا فارمولا منظور کر لیا ہے تو بھی مشرقِ وسطیٰ کی جنگ کے خاتمے کے امکانات معدوم نظر آتے ہیں۔ بظاہر جنگ بندی ہو سکتی ہے۔ لیکن مستقل امن قائم نہیں ہو سکتا۔ دیرپا امن صرف اور صرف آزاد فلسطین کے قیام سے عمل میں آسکتا ہے۔ بصورت دیگر امریکہ کی پسپائی کے بعد روس کے لئے بھی مشرقِ وسطیٰ میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جائے گی۔

امریکہ اور روس کے نزدیک مشرقِ وسطیٰ میں جنگ بندی کا وقت آ گیا

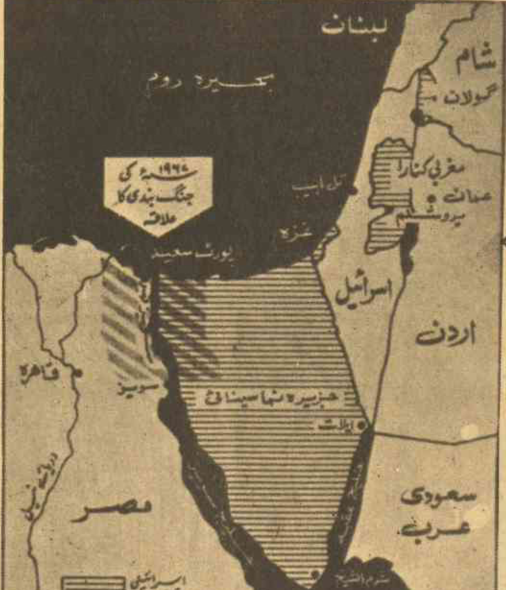
مذاکرات کی درخواست روسی حکومت نے کی تھی

احوال واقعی

منہاج برنا

جب یہ کالم تحریر کیا جا رہا تھا اس وقت امریکی وزیرِ خارجہ ہنری کیسنگر نو افراد کا ایک اعلیٰ اختیاراتی وفد لے کر روس کمیونسٹ پارٹی کے چیف مسٹر برزنیف اور وزیرِ اعظم کوسیجن سے مشرقِ وسطیٰ کی صورت حال پر مذاکرات کرنے ماسکو پہنچ چکے تھے۔ واشنگٹن کے سرکاری حلقوں کے مطابق ان مذاکرات کی درخواست خود روسی حکومت کی جانب سے کی گئی تھی۔

ان مذاکرات کے امکانات، اور نتائج کا اندازہ لگانے کے لئے دو تین اہم باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسرائیل امریکی اسلحہ اور امداد اور عرب ریاستیں روسی اسلحہ اور امداد کی بنیاد پر جنگ لڑ رہی ہیں۔ جس وقت امریکہ اسرائیل کو اسلحہ کی رسد اور روس کی جانب سے عرب ریاستوں کو روسی اسلحہ اور گولہ بارود کی رسد بند ہو جائے گی یا اس میں شدت سے تخفیف کر دی جائے گی جنگ بندی کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ اس وقت تک یعنی ۶ر اکتوبر سے لے کر ۲۱ر اکتوبر تک پندرہ سولہ دن کے





ایک شامی بچہ اسرائیل کے تباہ شدہ طیارے کا ڈھانچہ دیکھ رہا ہے

عرب ممالک ابھی سیاسی اور فوجی فیصلے آزادانہ طریقہ سے نہیں کر سکتے

اندر اسرائیل اور مصر اور شام کی فوجی طاقت کا خاصا ضیاع ہوچکا ہے۔ بالخصوص اسلحہ، طیاروں، ٹینکوں اور گولہ بارود کا۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے وہ اسرائیل کو اسلحہ اور امداد کی سپلائی جاری رکھے گا، جبکہ اس کا اندیشہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد روس عربوں کی امداد سے دستکش ہوجائے یا اپنی امداد میں تخفیف کردے۔

(۲) دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ اس مرتبہ عربوں نے بڑی شجاعت، جنگی مہارت اور ثابت قدمی کا ثبوت دیا ہے اور اسرائیل کو شدید زک پہنچائی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ خود نہر سوئیز کو عبور کرکے مشرقی کنارے پر حملہ آور ہوکر صحرائے سینائی کے ایک بڑے رقبہ پر قبضہ کر لینا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس طرح جولان کی پہاڑیوں پر شامیوں کی دلیرانہ جنگ بہت حوصلہ افزا واقعات ہیں لیکن ابھی تک کوئی فیصلہ کن معرکہ نہیں لڑا گیا۔ جنگ کا نیا اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ اسرائیلیوں نے نہر سوئیز کے مغربی کنارے پر اپنی فوجیں اتار دی ہیں، جس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر آئندہ ہفتہ عشرہ میں جنگ بندی ہوجائے تو اسرائیل نہ صرف سینائی میں موجود ہو بلکہ نہر پار بھی اس کی فوج کسی علاقے میں موجود ہو اور اس طرح موجودہ جنگ کے نتیجہ کو برابر رکھا جائے۔ یا عربوں کو کچھ زیادہ فوائد حاصل نہ کرنے دیئے جائیں۔

(۳) ماسکو کے مذاکرات اُس خفیہ بات چیت کے نتیجہ میں ہورہے ہیں جو روسی وزیراعظم مسٹر کوسیجن نے قاہرہ میں صدر سادات سے کی ہے۔ متعدد حلقوں کی جانب سے جنمیں یوگوسلاویہ کے نیم سرکاری حلقے بھی شامل ہیں۔ اس ہفتہ کے شروع میں یہ انکشاف کیا گیا تھا مسٹر کوسیجن نے اور شام کے سربراہوں کے سامنے جنگ بندی کا ایک منصوبہ پیش کیا ہے اس منصوبہ میں جنگ بندی، جنگ بندی کے بعد نہر کے دونوں طرف امریکہ اور روس کی فوجوں کا تعینات کیا جانا، اسرائیل کی جانب سے ان علاقوں کا انخلا جن پر اس نے ۱۹۶۷ء میں قبضہ کیا تھا اور پھر مشرقِ وسطیٰ کے مسئلہ پر ایک بین الاقوامی امن کانفرنس کا انعقاد شامل ہیں۔

ابھی یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس منصوبہ کے مطابق مقبوضہ علاقوں سے اسرائیلی انخلا کی شرط کی تکمیل جنگ بندی کے فوراً بعد شروع ہوجائے گی یا امن کانفرنس کے انعقاد اور فیصلوں کے بعد ہوگی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ روس کے اس منصوبہ کے بارے میں صدر سادات کا ردِ عمل کیا ہے البتہ مصر کے صدر اپنی تقریر میں یہ کہہ چکے ہیں کہ انہیں جنگ بندی صرف اس وقت قبول ہوگی جب اسرائیل مقبوضہ علاقوں کو خالی کرنے پر رضامند ہوجائے۔ انہوں نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ آیا وہ فلسطینی عوام کی اپنے وطن واپسی اور ان کے حقوق کی تکمیل کو بھی بطورِ شرط پیش کریں گے یا نہیں۔ البتہ شام کے صدر جناب حافظ الاسد نے اپنے بیانات میں فلسطینی عوام کے مسئلہ کے حل پر بار بار زور دیا ہے۔ خود فلسطینی عوام اور ان کی تنظیم پی ایل او نے اعلان کر دیا ہے کہ ان کو کوئی ایسا حل ہرگز قبول نہ ہوگا جن میں فلسطین کے بنیادی مسئلہ کو حل نہ کیا جائے۔

یہ بات واضح ہے کہ مسٹر کیسنگر کی ماسکو روانگی روس اور امریکہ کے درمیان سفارتی ذرائع سے گفت وشنید کے ایک خاص مرحلہ پر پہنچ جانے کے بعد ہی عمل میں آئی۔ بلکہ بعض حلقوں کے نزدیک تو روسی منصوبہ امریکہ کے علم میں لانے کے بعد صدر سادات کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

امریکہ اور روس مشرق وسطیٰ میں اپنے مفادات خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہتے

ان باتوں سے اس بات کی مزید تصدیق ہوجاتی ہے کہ جہاں روس اور امریکہ مشرقِ وسطیٰ میں اپنے مفادات اور اثرات کے تحفظ کے لئے عربوں اور اسرائیلیوں کی مدد کر رہے ہیں وہاں وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ انہوں نے گذشتہ کچھ عرصہ میں امن و مفاہمت کیلئے جو سمجھوتہ کیا ہے وہ کسی طرح خطرے میں پڑ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں ملکوں کے رہنماؤں کے بیانات اور ان کے ابلاغِ عامہ کے ذرائع کے پروپیگنڈہ میں ابھی تک ایک دوسرے پر حملے نہیں کئے گئے ہیں بلکہ لہجہ "مدہم" رکھا گیا ہے۔ صدر نکسن کہہ چکے ہیں کہ روس کو گیہوں بھیجنے کا جو سمجھوتہ ہوا تھا اس پر عملدرآمد کیا جائے گا۔

اب اصل بات دیکھنے کی یہ ہے کہ امریکہ اور روس کن شرائط پر جنگ بندی کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ماسکو کی خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ بات چیت صرف جنگ بندی ہی پر نہیں بلکہ "عرب اسرائیل تنازعہ" کے مجموعی تصفیہ پر کی جارہی ہے تاکہ کوئی ایسی صورت نکالی جائے جو دو بڑی طاقتوں کو بھی قبول ہو اور اسرائیل اور عرب ممالک کو بھی، بالخصوص مصر و شام کو۔

اسرائیل کا بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ اس کی سرحدوں کو تحفظ دیا جائے اور یہ کہ عرب ریاستیں اسرائیلی ریاست اور اس کی سرحدوں کو تسلیم کرلیں۔ اس کی حکمت عملی یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً مزید عرب علاقے ہتھیا لو تاکہ بعد میں بھی اگر کوئی مجموعی تصفیہ ہو تو اسرائیل کی سرحدات کو تحفظ مل سکے اور اس کے وجود کو عربوں سے تسلیم کرایا جاسکے۔

سرِدست کوئی عرب ملک اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتا۔

اور فی الحال ایسے آثار نظر نہیں آتے کہ کوئی عرب ملک ایسا تصفیہ کرے گا جس میں اس کے لئے اسرائیلی ریاست کو کو تسلیم کرنا لازمی قرار دیا جائے. ظاہر ہے اسرائیل کو عربوں سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کی کوئی ایسی خواہش نہیں جتنی اس بات کی فکر ہے کہ اس کا وجود ہمیشہ برقرار رہے۔

اس مسئلہ میں کوئی دو رائیں نہیں کہ اگر جنگ بندی کے کسی منصوبے پر روس و امریکہ متفق ہو جاتے ہیں تو پھر عربوں بالخصوص مصر کے لئے بہت مشکل ہوگا کہ وہ زیادہ عرصہ تک جنگ جاری رکھ سکے۔

ظاہر ہے کہ عرب ممالک جب تک خود اسلحہ اور گولہ بارود نہ پیدا کرنے لگیں اور اس معاملہ میں وہ خود کفیل ہو کر دوسروں کے دست نگر نہ رہیں اس وقت تک وہ سیاسی یا فوجی فیصلے آزادانہ طور پر نہیں کر سکتے۔ ویسے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ عربوں نے پہلی مرتبہ اپنے اقتدارِ اعلیٰ کو پہلے کے مقابلہ میں زیادہ آزادی کے ساتھ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ متعدد عرب ممالک کی جانب سے امریکہ کی مذمت، اور اسرائیل سے نبرد آزما ممالک کی دل کھول کر مدد، حوصلہ افزا علامتیں ہیں۔

اس کے علاوہ تیل پیدا کرنے والے ممالک کی جانب سے یہ فیصلہ کہ وہ امریکہ کو ہر ماہ تیل کی سپلائی پانچ فیصد کم کر دیں گے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ عرب عوام اب اپنے حکمرانوں پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔ تازہ ترین خبروں کے مطابق سعودی عرب اور الجزائر نے فوری طور پر امریکہ کو تیل کی سپلائی معطل کر دی ہے۔ لیبیا اور ابوظہبی یہ فیصلہ بہت پہلے کر چکے ہیں۔

دیکھیں امریکہ روس مذاکرات کے نتیجہ میں لگے ہفتہ تک مشرقِ وسطیٰ میں حالات کیا پلٹا کھاتے ہیں۔

امریکہ میں شدید بحران

نکسن پر غداری کا مقدمہ چلانے کا مطالبہ

ادھر اس ہفتہ امریکہ واٹر گیٹ اسکینڈل ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ امریکی صدر مسٹر نکسن واٹر گیٹ اسکینڈل کے خصوصی وکیل استغاثہ مسٹر کاکس کو محض اسلئے برطرف کر دیا گیا کہ انہوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ اسکینڈل کے سلسلہ میں صدر نکسن اور دوسرے افراد کی بات چیت کے ٹیپ کو ریلیز کر دیں گے۔ صدر نکسن نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ ایسا نہ کریں لیکن مسٹر کاکس نے صدر کی درخواست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ صدر نے اسپیشل پراسیکیوٹر (خصوصی وکیل استغاثہ) کو برطرف کر دیا۔ خبروں کے مطابق امریکہ کے اٹارنی جنرل مسٹر رچرڈسن نے بھی اس صورتِ حال کے پیشِ نظر استعفیٰ دے دیا ہے۔ ان کے استعفیٰ کے بعد جب صدر نکسن نے ڈپٹی اٹارنی جنرل کو اس کام کی ہدایت کی جس کا مطالبہ اٹارنی جنرل سے کیا گیا تھا تو ڈپٹی اٹارنی جنرل نے انکار کر دیا چنانچہ انہیں بھی برطرف کر دیا گیا ہے۔

ان ڈرامائی واقعات نے امریکہ میں زبردست کھلبلی مچا دی ہے۔ صدر کے خلاف ایجی ٹیشن میں اضافہ ہو گیا ہے اور متعدد ارکانِ کانگریس کی جانب سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ صدر نکسن ریاست سے غداری کے الزامات کے تحت مقدمہ (Impeachment) چلایا جائے۔ دیکھیں اب واٹر گیٹ اسکینڈل کا اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔







یاسَر عرفات سے

ایڈیٹر کی خصوصی ملاقات

امریکہ اور روس کا
امن فارمولا قبول نہیں کیا جائے گا

ہم اقوام متحدہ کی کسی قرارداد کو نہیں مانتے

"موجودہ حکومت نے اسرائیل کی فوجی برتری کا پول کھول دیا ہے۔ مغرب کے فوجی ماہرین اسرائیلی فوج کو ناقابلِ شکست سمجھتے تھے، امریکہ اور اسرائیل کو اپنے فینٹم طیاروں پر بہت گھمنڈ تھا۔ لیکن اس جنگ میں ان کے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے سینائی کی ریت اور جولان کی پہاڑیوں نے اسرائیلی فوجیوں اور طیاروں کو نگل لیا۔ فلسطینی فدائین ہر محاذ پر سرگرم عمل ہیں۔ وہ جولان میں لڑ رہے ہیں۔ لبنان کی سرحد پر دشمن سے نبرد آزما ہیں۔ اسرائیلی علاقے میں فوج کی سپلائی لائینوں اسلحہ ساز فیکٹریوں اور اہم تنصیبات پر کاری ضربیں لگا رہے ہیں۔ آج اسرائیل کا چپہ چپہ فدائین کی زد میں ہے، غاصبوں کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔ اور اب وہ دن دور نہیں جب ہم اسرائیلی توسیع پسندوں کو عرب کے صحراؤں میں اسی طرح دفن کر دیں گے۔ جس طرح نپولین اور ہٹلر روس کے برفیلے میدانوں میں دفن ہو گئے۔"

یہ بات الفتح کے سربراہ یاسر عرفات نے مجھے ایک انٹرویو میں بتائی۔

عام حالات میں بھی یاسر عرفات سے ملاقات کرنا یا انٹرویو لینا مشکل ہوتا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے بلکہ اُن کی مصروفیات اس قدر ہیں کہ وہ ان باتوں کے لئے وقت نہیں نکال پاتے، اس کے علاوہ وہ نام و نمو، ذاتی شہرت اور پبلسٹی کے قائل نہیں۔ اگر کوئی اُن کی تعریف کرے تو وہ فوراً اُسے ٹوک دیتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے "میری تعریف نہ کرو"، ہم شخصیتوں کے پجاری نہیں کہ ان کے بت بنا کر پوجا شروع کر دیں۔ میں بھی تمہاری طرح مادرِ وطن کا ایک سپاہی ہوں۔ ہمارا رہنما فلسطین ہے۔ ہمارا راستہ موت اور قربانی کا راستہ ہے۔ اسی راستے پر چل کر ہم اپنے وطن کو آزاد کرا سکتے ہیں۔"

تقریباً ایک ماہ قبل یاسر عرفات سے میری ایک نجی ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے انٹرویو کے لئے درخواست کی تو انہوں نے بتایا کہ وہ ایک ضروری میٹنگ میں شرکت کرنے جا رہے ہیں۔ اور میں انٹرویو کے سلسلے اگلے ماہ اُن سے ملاقات کروں۔ چنانچہ ۱۲ر اکتوبر کو ایک فلسطینی مجاہد کی رہنمائی میں، میں یاسر عرفات کے ہیڈ کوارٹر گیا۔ جو ان دنوں اسرائیل سے ملنے والی سرحد کے نزدیک ایک غار میں منتقل کر دیا گیا ہے یاسر عرفات آج کل اپنے شب و روز اسی غار میں بسر کرتے ہیں اور بہت کم باہر نکلتے ہیں۔ اور اسی غار سے وہ اپنے گوریلوں کی کمان کر رہے ہیں۔ راستہ میں کئی جگہ فلسطینی مجاہدین نے میری تلاشی لی اور شناختی کارڈ دیکھا۔ لیکن تلاشی لینے کا انداز اور رویہ بہت دوستانہ تھا۔ بعد میں مجھے بتایا گیا کہ یہ طریقہ اس لئے اپنایا گیا کہ "ہم حالتِ جنگ میں ہیں"، اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد مجھے یاسر عرفات کے غار میں لے جایا گیا۔ غار میں پیٹرومیکس جل رہا تھا دیواروں پر جنگی نقشے آویزاں تھے اور میز پر مختلف محاذوں سے آئی ہوئی اطلاعات اور دیگر کاغذات پڑے ہوئے تھے۔ یاسر عرفات خاکی لباس میں ملبوس

تھے اور اپنا مخصوص سیاہ چشمہ لگائے ہوئے تھے۔ تھکن اور شب بیداری کے آثار چہرے پر نمایاں تھے انہوں نے مسکرا کر میرا خیر مقدم کیا اور کہا "جنگ کی وجہ سے مجھے ایک سیکنڈ کی بھی فرصت نہیں ہے مگر میں آپ کو انٹرویو ضرور دونگا۔ کیونکہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور ایک عرب اپنا وعدہ ہر حالت میں پورا کرتا ہے"

دوران گفتگو یاسر عرفات نے بتایا کہ "ہماری جنگ کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ ۱۹۶۷ء کے مقبوضہ علاقے عرب ممالک کو واپس مل جائیں اور اسرائیل، اقوام متحدہ کی قرارداد نمبر ۲۴۲ پر عمل کرے۔ بلکہ ہماری جنگ کا مقصد فلسطینی عوام کو اُن کے جائز حقوق دلانا اور اسرائیل کا خاتمہ کر کے "آزاد فلسطینی ریاست" قائم کرنا ہے۔ ہم اقوام متحدہ کی کسی قرارداد کو نہیں مانتے، نہ ہی وہائٹ ہاؤس اور کریملن کے کسی "سمجھوتہ امن"، یا سمجھوتہ جنگ بندی کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ کیوں کہ اقوام متحدہ، امریکہ اور روس، اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کا وجود برقرار رکھنا چاہتے ہیں فلسطین کے معاملہ میں دنیا کے بیشتر ممالک مجرم ہیں۔ کیونکہ انہوں نے گذشتہ ۲۵ سال میں اس ناانصافی کو ختم کرنے کے لئے کوئی کارروائی نہیں کی۔ جب تک اسرائیل کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تک ہماری جنگ جاری رہے گی"

یاسر عرفات چند ماہ قبل تک، طیاروں کے اغوا اور جنگ پوری دنیا میں پھیلانے کے مخالف تھے۔ لیکن ۷ اکتوبر کو انہوں نے فلسطینی فدائین سے اپیل کی کہ "وہ اسرائیل کے اندر اور پوری دنیا میں اسرائیل کے مفادات پر حملے شروع کر دیں"، چنانچہ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنی پالیسی میں تبدیلی کیوں کی ؟ انہوں نے کہا کہ "ہم اپنی جنگ کو پوری دنیا میں پھیلانا نہیں چاہتے تھے۔ مگر دشمن نے اس پالیسی کو ہماری

جتنے زیادہ محاذ

کھولے جائیں گے

عربوں کو فائدہ ہوگا

کمزوری سمجھا۔ اور گولڈا میئر نے اعلان کیا کہ اب عرب اسرائیل جنگ، اپنی سرحدوں سے باہر چلی گئی ہے۔ ہم پوری دنیا میں جنگ کریں گے"، چنانچہ ہم نے بھی دشمن کو دندان شکن جواب دینے کے لئے اس کا چیلنج قبول کر لیا۔ اور اب ہم ثابت کر دیں گے کہ مہاجروں کے کیمپوں میں پروان چڑھنے والے نوجوان، پوری دنیا میں اسرائیل سے جنگ لڑ سکتے ہیں"۔

اَلفتح کا منشور

Revolution until Victory

"FAT'H"

Palestine National Liberation Movement

۱۔ خالص اور آزاد فلسطینی ارادہ وعمل کی روشنی میں کام کرنا اور ہر طرح کی بیرونی رہنمائی، خیمہ برداری اور جھکاؤ کو ماننے سے انکار کر دینا۔

۲۔ کسی بھی عربی ریاست کی داخلی سیاست سے تعرض نہ کرنا۔ بشرطیکہ فدایانِ عرب کی مجاہدانہ کوششوں کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

۳۔ فلسطین کی آزادی کو وطنی جہاد قرار دینا اور یہ سمجھنا کہ اس کے لئے تمام ترقوتوں اور گروہوں کو ایک مرکز پر جمع کرنا ضروری ہے۔ اور اس بات پر یقین رکھنا کہ اس مسئلہ کا واحد حل فلسطین میں مہاجرین کا دوبارہ آباد ہونا۔

۴۔ مسلح اور فداکارانہ جدوجہد کو تمام گروہوں میں پھیلانا اور فروغ دینا اور فلسطین میں اس کے گوریلا ستون کو کامیاب کرنا۔

۵۔ فلسطین اور تمام عرب عوام میں مسلح جدوجہد اور بغاوت کے ذریعے اسرائیل کے خلاف انقلاب برپا کرنا۔ اس لئے کہ ہماری یہ تحریک اگرچہ ایک پہلو سے صرف فلسطین سے تعلق رکھتی ہے۔ تاہم اپنی گہرائی اور نتائج کے اعتبار سے ہر لحاظ سے ایک قومی تحریک ہے۔

۶۔ فلسطین کی تحریک آزادی کو دوسرے تمام معاملوں میں سرفہرست رکھنا۔

۷۔ تمام عالم عربی میں مثبت اور ایجابی قوتوں سے کام لینا تاکہ فلسطین کی اس تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔

۸۔ باقاعدہ جنگ کی حکمتِ عملی کو اپنانے سے اس بنا پر گریز کرنا کہ سردست استعماری قوتوں نے صیہونیت کے وجود کو ہمارے ملک میں قائم کر رکھا ہے اور وہ اس کی حمائت وتائید پر آمادہ ہیں۔ باقاعدہ جنگ اس لئے بھی ہمارے لئے بےکار ہے کہ ہمارے ہاں عالم عربی میں خاصے تضادات ابھر آئے ہیں جن کی وجہ سے ہمیں تو ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور دشمن کو موقع ملتا ہے کہ وہ اپنے منفی اور توسیع پسندانہ عزائم میں کامیاب ہو۔

۹۔ فداکارانہ اور مسلح تحریک "الفتح" کو کامیابی اور کامرانی کا واحد اور قطعی ذریعہ سمجھنا اور اس بات پر یقین رکھنا کہ طویل جدوجہد کے بعد بالآخر ہم اس اسلوب جہاد سے عربوں کو دوبارہ فلسطین میں بسانے میں کامیاب ہو جائینگے۔

۱۰۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جو یہودیوں نے ہمارے لئے پیدا کر دی ہے اس بات پر یقین رکھنا کہ پورے عالم عربی کا امن مطلوب ہے وہ مقامی امن نہیں جس نے ہمیں نفع ونقصان کے جزوی چکر میں ڈال رکھا ہے۔

۱۱۔ ان تمام تدابیر کو اختیار کر کے سامراج کے دستِ تظلّم سے نجات حاصل کرنا، چاہے وہ کسی شکل میں ہو اور صیہونی اثر ونفوذ کو ختم کرنا۔

"اسرائیل کے خلاف مسلح جدوجہد کی شعلہ فشانیاں ہی نئے عرب انسان کو جنم دیں گی۔"

ہم یہودیوں کو سمندر میں دھکیلنے کا ارادہ نہیں رکھتے

یاسر عرفات نے کہا "نکسن اور اس کے وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کیسنگر نے ہمیں "بین الاقوامی دہشت پسند" کا نام دیا۔ امریکی ذرائع ابلاغ عامہ ہماری

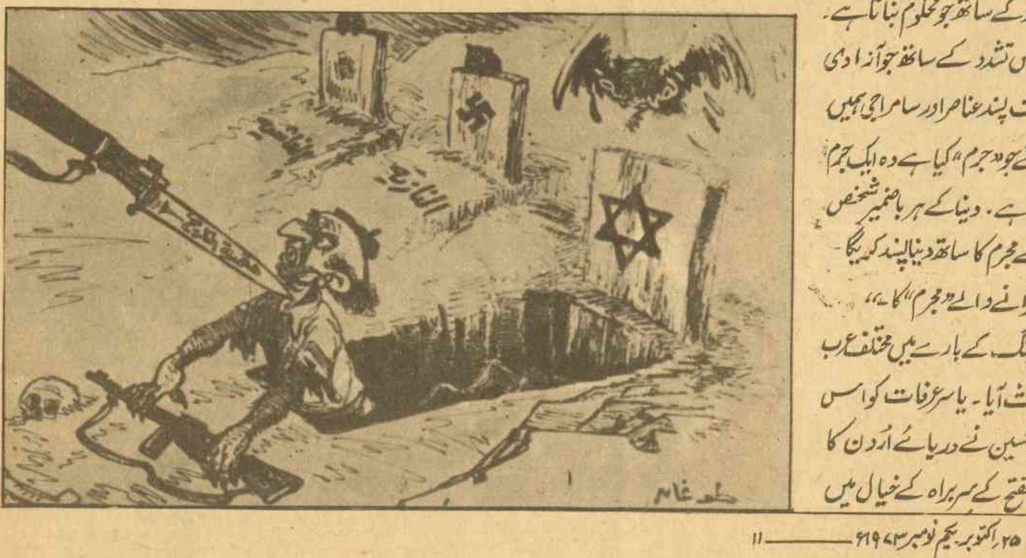


کارروائیوں کو تشدد آمیز قرار دے رہے ہیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ دہشت پسند ہم ہیں یا اسرائیل، تشدد آمیز کارروائیاں ہم کرتے ہیں یا اسرائیلی فوجی، اگر آزادی وطن کی جدوجہد کرنا دہشت پسندی اور تشدد آمیزی ہے۔ تو ہمیں اپنے جرم پر فخر ہے۔ آج دنیا کے ہر فرد کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کس کے ساتھ ہے، صیہونیت کے ساتھ یا فلسطینیوں کے ساتھ فوجی تشدد کے ساتھ یا انقلابی تشدد کے ساتھ، اس تشدد کے ساتھ جو محکوم بناتا ہے۔ اور استحصال کرتا ہے۔ یا اس تشدد کے ساتھ جو آزادی کی جوت جگاتا ہے۔ رجعت پسند عناصر اور سامراجی ہمیں مجرم سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم نے جو "جرم" کیا ہے وہ ایک جرم کا مقابلہ کرنے کے لئے کیا ہے۔ دنیا کے ہر باضمیر شخص کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کونسے مجرم کا ساتھ دینا پسند کرے گا۔ لوٹنے والے مجرم کا یا آزاد کرانے والے "مجرم" کا"

دوران گفتگو حالیہ جنگ کے بارے میں مختلف عرب حکومتوں کا رویہ بھی زیر بحث آیا۔ یاسر عرفات کو اس بات کا افسوس تھا کہ شاہ حسین نے دریائے اردن کا مغربی محاذ نہیں کھولا۔ الفتح کے سربراہ کے خیال میں دریائے اردن کا مغربی محاذ فوجی حکمت عملی کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ "اگر شاہ حسین یہ محاذ کھول دیتے تو اسرائیل اتنے دن مزاحمت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ محاذ کھولنے سے سینائی اور جولان کے محاذوں پر دباؤ کم ہو جاتا۔ یاسر عرفات نے کہا "اسرائیل کے پاس افرادی طاقت بہت کم ہے۔ جتنے زیادہ محاذ کھولے جائیں اتنا ہی عربوں کو فائدہ ہوگا"۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شاہ حسین نے دریائے اردن کے مغربی کنارے کا محاذ کھولنے کی بجائے اپنے چند دستے شام بھیج دیئے ہیں جن کی تعداد ایک ہزار سے کچھ زائد ہے۔ شاہ حسین نے اردن کی سرحدیں صرف دو دن کے لئے بند کیں اور اب معمول کے مطابق آمدورفت جاری ہے۔ حالانکہ اردن میں سعودی عرب کی بھی فوجی دستے موجود ہیں۔

اس سوال کے جواب کہ "مقبوضہ علاقے واپس لینے کے بعد مصر اور شام نے امریکہ اور روس کے دباؤ میں آ کر اسرائیل کو تسلیم کر لیا تو آپ کیا کریں گے"، یاسر عرفات نے کہا کہ "کسی عرب ملک کو فلسطینیوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ یہ حق صرف فلسطینی عوام کو حاصل ہے اور ہمارے نوجوان آخری فتح تک جنگ جاری رکھنے کا عہد کر چکے ہیں۔ وہ مادر وطن کی ریت کا ایک ایک ذرہ اپنے خون سے رنگنے کو تیار ہیں۔ مہاجرین کے کیمپوں میں بھوک، افلاس اور غربت سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے بہتر ہے کہ میدان جنگ میں بہادروں کی طرح لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا جائے فلسطینی عوام گذشتہ ۲۵ سال سے سامراج اور اسرائیل کے ظلم و تشدد برداشت کر رہے ہیں۔ لیکن اب وہ یہ ظلم برداشت کرنے کو تیار نہیں کیونکہ مہاجر کیمپوں میں جو نسل جوان ہوتی ہے۔ وہ مشین گن ہاتھ میں لے کر حیفہ کی جانب بڑھنے کے لئے بیتاب ہے"

یاسر عرفات نے بتایا کہ گذشتہ برسوں میں اسرائیلی علاقے میں کوئی ایسی جگہ نہیں۔ جہاں فدائیوں نے حملہ نہ کیا ہو، فلسطینی فدائین اب تک اسرائیلی علاقے میں تین ہزار سے زیادہ فوجی حملے کر چکا ہے۔ ان حملوں میں اسرائیلی افسروں، سپاہیوں، فوجی گاڑیوں، باربرداری کی گاڑیوں، اسلحہ کے ذخیروں، فوجی اڈوں، بجلی گھروں، کارخانوں اور فوجی ریل گاڑیوں کو نشانہ بنایا گیا۔ اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے اسرائیل کو ۵۷ لاکھ روپے یومیہ خرچ کرنے پڑتے ہیں اور ہر اسرائیلی شہری ۵۰۴ اسرائیلی پونڈ (تقریباً ۵۴





کیمپوں میں پروان چڑھنے والے نوجوان پوری دنیا میں جنگ کر سکتے ہیں

اسٹرلنگ) سالانہ جنگ ٹیکس ادا کرتا ہے۔

الفتح کے سربراہ نے کہا کہ "ہم یہودیوں کو سمندر میں دھکیلنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، ہماری جدوجہد سامراج اور ان صیہونی طاقتوں کے خلاف ہے جنہوں نے اسرائیل کو جنم دیا۔ اور فلسطین میں بسنے والے عرب باشندوں کو زبردستی ملک بدر کر دیا جو آج بھی در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں"۔ انہوں نے بتایا کہ الفتح "آزاد فلسطینی ریاست" کے قیام کا واضح نظریہ رکھتی ہے۔ "الفتح" کے اغراض و مقاصد میں صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل کو، جس کی بنیاد نسلی برتری، مذہبی تنگ نظری، تشدد اور توسیع پسندی پر ہے، ختم کر کے فلسطین میں ایک واحد، جمہوری اور سیکولر ریاست قائم کی جائے گی۔ جس میں بلا تمیز مذہب و ملت تمام افراد کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے اور وہ ریاست غیر ملکی تسلط سے آزاد ہو گی۔

الفتح اور العاصفہ ۰ چند بنیادی حقائق

۱۔ فلسطینی نوجوانوں نے ۱۹۵۶ء میں "فلسطینی قومی تحریک آزادی" (الفتح) کی بنیاد ڈالی۔ مقبوضہ فلسطین میں الفتح کے فوجی دستوں کے حملے یکم جنوری ۱۹۶۵ء سے شروع ہوئے۔

۲۔ "فلسطینی قومی تحریک آزادی" دو حصوں پر مشتمل ہے،

الف۔ سیاسی محاذ پر لڑنے والا دستہ "الفتح" کہلاتا ہے

ب۔ دوسرا حصہ "العاصفہ" کے نام سے مشہور ہے جو فوجی محاذ پر دشمن سے جنگ کرتا ہے۔

۳۔ تحریک کا مقصد اسرائیل کے سیاسی، معاشی، فوجی اور معاشرتی ڈھانچے کو ختم کرنا اور تمام دنیا کو بے خانماں برباد فلسطینی عوام کے حقوق کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

۴۔ تحریک کی بنیادی فوجی حکمت عملی یہ ہے کہ۔

الف۔ مسئلہ فلسطین کو علاقائی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر اجاگر کیا جائے۔

ب۔ انقلابی ڈھانچے کی تعمیر مندرجہ ذیل خطوط پر کی جائے۔

(i) تحریک آزادی کا محور فوجی دستے ہوں۔

(ii) متحدہ جدوجہد سے امدادی محاذ قائم کیا جائے۔

(iii) عرب اور مسلمانوں کے اتحاد کے لئے آزادیٔ فلسطین پہلے قدم کی حیثیت رکھتا ہو۔

ج۔ اسرائیل کے خلاف جنگ کی بنیادیں یہ سوچ سمجھ کر مضبوط کی جائیں کہ اسرائیل کی طاقت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اور یہ مشرق وسطیٰ میں سامراجی طاقتوں کا واحد بڑا ہتھیار ہے۔

۵۔ الفتح کی اہم پالیسی یہ ہے کہ

الف۔ مسلح جدوجہد کی جائے کیونکہ فلسطین کو آزاد کرانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، عوامی جنگ۔

ب۔ کسی قسم کی سرپرستی کو قبول نہیں کیا جائے۔

ج۔ عرب اور مسلم ممالک کو جتنے مسائل بھی درپیش ہیں مسئلہ آزادیٔ فلسطین کو سب پر فوقیت دی جائے۔

د۔ عرب ممالک کی داخلی سیاست سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کوئی بھی عرب طاقت تحریک میں مداخلت کرے۔

۶۔ "الفتح"، کسی قسم کے بھی "پُرامن" معاہدے کو تسلیم نہیں کرتی، مثلاً سلامتی کونسل کی نومبر ۱۹۶۷ء کی قرارداد، مشرق وسطیٰ میں امن قائم کرانے کے لئے بڑی طاقتوں کے منصوبے اور اجلاس وغیرہ۔

۷۔ جب تک "الفتح"، فلسطین کو اسرائیلی پنجوں سے آزاد نہیں کرائے گی، اپنے ہتھیار نہیں چھوڑے گی مگر وہ امن میں بھی یقین رکھتی ہے۔ مگر سامراجی امن پر نہیں۔

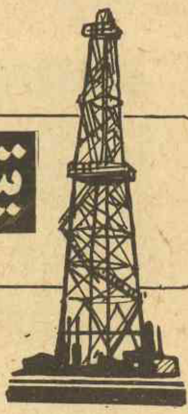
۸۔ العاصفہ اب تک مقبوضہ فلسطین پر تین ہزار سے زیادہ فوجی حملے کر چکی ہے۔





۹۔ الفتح تمام یہودیوں کو سمندر میں دھکیلنے کا ارادہ نہیں رکھتی، اس کی جدوجہد صرف ان صیہونی طاقتوں کے خلاف ہے۔ جنھوں نے فلسطین میں بسنے والے عرب باشندوں کو بے سروسامانی کی حالت میں ملک بدر کیا اور جو آج دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

۱۰۔ الفتح کی جدوجہد کا مقصد ایک ایسی فلسطینی جمہوری عرب ریاست قائم کرنا ہے۔ جو نسل و فرقے کے امتیاز سے بالاتر ہو، اور جس میں ہر دین و مذہب کے لوگوں کو زندہ رہنے کا برابر کا حق حاصل ہو، خواہ وہ عیسائی ہوں، یہودی ہوں یا مسلمان۔



تیل
عربوں کا موثر ہتھیار

اے جی - رحمانی



20 امریکی کمپنیاں عرب ممالک کے
80 فیصد تیل پر قابض ہیں

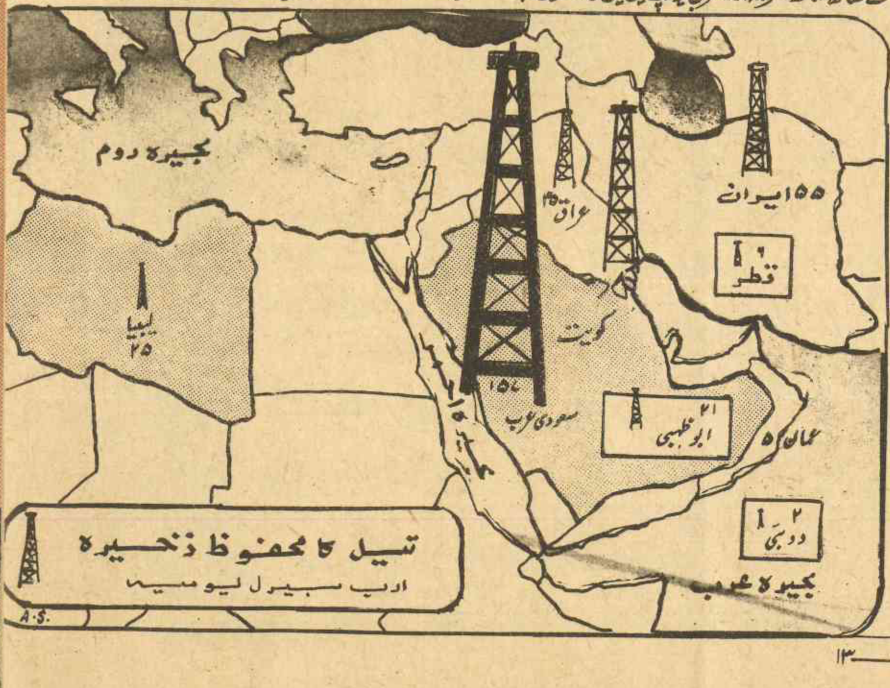
مشرقِ وسطیٰ کی حالیہ جنگ میں عرب ممالک نے بالآخر تیل کو "سیاسی ہتھیار" کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ گذشتہ دنوں تیل برآمد کرنے والے گیارہ عرب ملکوں کے نمائندوں نے کویت میں مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب تک عربوں کے کھوئے ہوئے علاقے واپس نہیں مل جاتے اور فلسطینیوں کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا، امریکہ اور اسرائیل کی مدد کرنے والے یورپی ممالک کو تیل کی سپلائی کم از کم پانچ فیصد کم کر دی جائے گی۔ بظاہر یہ پانچ فیصد کی کمی انتہائی غیر اہم غیر مؤثر اور غیر محسوس معلوم ہوتی ہے لیکن عرب ممالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی سے تیل کی سپلائی میں جتنی چاہیں کمی کر سکتے ہیں چنانچہ ابوظہبی نے امریکہ کو تیل کی سپلائی قطعاً بند کر دی ہے۔ سعودی عرب نے فوری طور سے تیل کی پیداوار میں دس فیصد کمی کر دی ہے تازہ ترین خبروں کے مطابق اس نے امریکہ کو مکمل طور پر تیل کی سپلائی بند کر دی۔ لیبیا اپنے علاقے میں تیل کے تمام کنوؤں کو قومی تحویل میں لینے پر غور کر رہا ہے۔ عراق پہلے ہی تیل کی دو کمپنیوں کو قومیا چکا ہے

تیل کا ہتھیار کس حد تک مؤثر ثابت ہوگا؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عرب ممالک اور خلیج فارس میں امریکہ اور مغربی یورپ کے ممالک نے کتنا سرمایہ لگا رکھا ہے اور وہ ان ممالک کے تیل پر کس حد تک انحصار کرتے ہیں؟ ایک اندازے کے مطابق امریکہ کی بیس بڑی تیل کمپنیاں عرب ممالک کے تقریباً ۸۰ فیصد تیل پر قابض ہیں۔ دوسری جنگ عظیم تک امریکہ تیل کے معاملے میں خود کفیل تھا اور اسے بیرونی ملکوں سے تیل درآمد کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ امریکی تیل کمپنیاں یورپ اور دوسرے ممالک کو تیل ایکسپورٹ کر کے بھاری منافع کما رہی تھیں اور ان عرب ممالک کے حکمرانوں کو رائیلٹی کی شکل میں معمولی سی "بخشش" دے کر ٹرخا رہی تھیں، لیکن صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ امریکہ اور مغربی یورپ میں تیل کی مانگ میں زبردست اضافہ ہونے لگا اور مشرقِ وسطیٰ کے تیل پر ان کا انحصار بڑھنے لگا۔

اس وقت دنیا بھر میں روس اور چین کو چھوڑ کر تیل کے ذخائر کی مصدقہ مقدار ۵۰۰ ارب بیرل ہے۔ جن میں سے ۳۰۰ ارب بیرل تیل مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اسوقت امریکہ صرف ۱۶ فیصد اور مغربی یورپ اور جاپان تقریباً ۶۰ فیصد تیل مشرقِ وسطیٰ سے حاصل کرتے ہیں لیکن ۱۹۸۰ء تک امریکہ کو اپنی تیل کی ۵۵ فیصد اور مغربی یورپ اور جاپان کو ۷۵، سے ۸۰ فیصد ضروریات کے لئے مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کا محتاج رہنا پڑے گا۔ اگر تیل نکالنے کی موجودہ رفتار برقرار رکھی جائے تو عرب ممالک کے تیل کے ذخائر زیادہ سے زیادہ تیس سال کی ضروریات کے لئے کافی ہوں گے۔ لیکن مغربی تیل کمپنیاں جو دنیا بھر میں برس ہا برس سے اندھا دھند لوٹ مار کر رہی تھیں قائل ہیں۔ عرب ممالک کو تیل کی پیداوار بڑھانے پر مجبور کرنے لگیں وہ ہر قیمت پر اپنی شرائط پر تیل حاصل کرنے پر تلی ہوئی تھیں اور اس سلسلے میں انہیں اپنی حکومتوں کی سرپرستی حاصل تھی۔

عربوں کی تیل کی آمدنی

دوسری طرف تیل سے عربوں کی آمدنی میں زبردست اضافہ ہوا۔ آمدنی کی موجودہ شرح سے ۱۹۸۳ء تک سعودی عرب کے سونے اور ہارڈ کرنسی کے ذخائر ۳۰ ارب ڈالر تک



تیل جنگ سے موثر ہتھیار ثابت ہو سکتا ہے: قذافی



پہنچ جائیں گے جبکہ اسوقت امریکہ کے یہ ریزرو ذخائر صرف ۱۳ ارب ڈالر ہیں، اسی طرح لیبیا کے ذخائر اسوقت ۳ ارب ڈالر ہیں۔ سعودی عرب کو تیل کی برآمد سے ڈھائی ارب ڈالر، لیبیا کو دو ارب ڈالر حتیٰ کہ ابوظہبی جیسے چھوٹے سے ملک کو بھی بیس کروڑ ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے۔ تیل کی دولت اور زبردست آمدنی نے جس میں مستقبل میں مزید اضافے کا امکان ہے عربوں کے ہاتھ میں زبردست اقتصادی قوت مجتمع کر دی ہے۔ اگر عرب سیاسی یا اقتصادی وجوہ کی بنا پر صرف ایک سال کے لئے تیل کی سپلائی بند کر دیں، جو ان کے لئے چنداں مشکل نہیں، تو ساری دنیا کی نصف سے زیادہ مشینیں اور کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔

عرب اپنی اس زبردست اقتصادی قوت سے آگاہ ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور یورپی ممالک زیادہ سے زیادہ تیل کم سے کم قیمت پر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی تیل کی دولت سے پوری طرح فائدہ اٹھائیں اور زیادہ سے زیادہ، قیمت پر محدود مقدار میں تیل فراہم کریں۔ ماضی کے عرب حکمران تیل کمپنیوں کو اپنا "مائی باپ" سمجھتے تھے لیکن اب وہ اپنی، اقتصادی قوت کے بل بوتے پر تیل کمپنیوں کو اپنی شرائط منوانے پر مجبور کر سکتے ہیں۔

او۔پی۔ای۔سی

سامراجی روایات کے عین مطابق ۱۹۵۸ء میں مغربی تیل کمپنیوں نے جب تیل کی رائلٹی کی شرح میں من مانے طور پر کمی کی تو ۱۹۶۰ء میں سعودی عرب اور وینیزویلا نے آرگنائزیشن آف پٹرولیم ایکسپورٹنگ کنٹریز کی داغ بیل رکھی۔ اس تنظیم میں گیارہ ممالک شامل ہو گئے جن میں ایران، انڈونیشیا، نائجیریا، کویت، عراق، ابوظہبی، قطر، لیبیا اور الجزائر شامل ہیں۔ اس تنظیم کا مقصد تیل پیدا کرنے والے ممالک کے حقوق کا تحفظ اور بہتر شرائط کا حصول تھا۔ شروع شروع میں مغربی تیل کمپنیوں نے اوپی ای سی کو ذرا بھی اہمیت نہ دی اور اسے منہ لگانا پسند نہ کیا۔ چنانچہ جب اس نے اپنے مطالبات پیش کئے تو انہیں حقارت سے ٹھکرا دیا گیا۔ اوپی ای سی تیل کمپنیوں کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ لیبیا کے مردِ آہن کرنل معمر القذافی نے برسرِ اقتدار آتے ہی اوپی ای سی میں جان ڈال دی۔ انہوں نے لیبیا میں تیل کی پیداوار کم کر دی اور رائیلٹی کی شرح میں اضافہ کا مطالبہ کر دیا۔ مغربی تیل کمپنیاں بہت جزبز ہوئیں۔ انہوں نے لیبیا کے تیل کا بائیکاٹ کرنے کی بھی دھمکی دی۔ لیکن لیبیا کے پاس تقریباً دو ارب ڈالر کے زرِ مبادلہ کے ذخائر موجود تھے وہ کئی سال تک تیل کی آمدنی کے بغیر بھی گذارہ کر سکتا تھا۔ تاہم لیبیا سے ملنے والے تیل کے نقصان کی تلافی ممکن نہیں تھی۔ دوسری طرف فرانس، مغربی جرمنی اور اسپین اور اٹلی جیسے ممالک نے جو خود تیل پر امریکی اور برطانوی کمپنیوں کی اجارہ داری کا خاتمہ چاہتے تھے، امریکہ کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا۔ ان ممالک کے رویّے کے پیشِ نظر یورپی بنکوں میں لیبیا کے زرِ مبادلہ کے ذخائر منجمد کر دینے کی دھمکی بھی بے اثر ثابت ہوئی۔ چنانچہ کرنل قذافی کے اس جرأتمندانہ اقدام کے نتیجے میں تیل کمپنیوں کے لئے ان کی شرائط کے سامنے سر جھکانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ کرنل قذافی نے اوپی ای سی کو نئی جرأت اور ولولہ بخشا چنانچہ یکے بعد دیگرے تنظیم کے تمام ملکوں نے بہتر شرائط کا مطالبہ کیا اور اپنی تنظیمی قوت کے بل پر انہیں منوایا۔ اوپی ای سی کی سوداکاری کی قوت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ انڈونیشیا کے سوا تمام ممبر ملکوں نے کھل کر اعلان کر دیا کہ اگر ان کے مطالبات نہ مانے گئے تو وہ تیل کی سپلائی بند کر

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے تیل کی پیداوار اور آمدنی کا گوشوارہ

ممالک	۱۹۷۵ میں اندازاً پیداوار (۱۰ لاکھ بیرل یومیہ)	۱۹۸۰ میں اندازاً پیداوار (۱۰ لاکھ بیرل یومیہ)	۱۹۷۵ میں آمدنی (ایک ارب ڈالر سالانہ)	۱۹۸۰ میں آمدنی (ایک ارب ڈالر سالانہ)
مشرقِ وسطیٰ				
ایران	۷۶۳	۱۰۶۰	۴۶۷	۱۲۶۸
سعودی عرب	۸۶۵	۲۰۶۰	۵۶۴	۲۵۶۶
کویت	۳۶۵	۴۶۰	۲۶۲	۵۶۰
عراق	۱۶۹	۵۶۰	۱۶۲	۶۶۴
ابوظہبی	۲۶۳	۴۶۰	۱۶۵	۵۶۰
خلیج فارس کی دیگر ریاستیں	۱۶۸	۳۶۰	۱۶۰	۳۶۲
جزوی میزان	۲۵۶۳	۴۵۶۰	۱۶۶۰	۵۸۶۰
شمالی افریقہ				
لیبیا	۲۶۲	۲۶۰	۲۶۰	۳۶۱
الجزائر	۱۶۲	۱۶۵	۱۶۱	۲۶۳
جزوی میزان	۳۶۴	۳۶۵	۳۶۱	۵۶۴
میزان	۲۸۶۷	۴۸۶۵	۱۹۶۱	۶۳۶۴

دیں گے۔ اوپی ای سی کے ممبر ممالک نہ صرف تیل کا زائد معاوضہ چاہتے ہیں بلکہ وہ تیل کمپنیوں میں مالکانہ شرکت بھی چاہتے ہیں۔ چنانچہ اب وہ تیل کمپنیوں کا ۲۵ فیصد کنٹرول بھی چاہتے ہیں اور ۱۹۸۲ء تک ۵۱ فیصد کنٹرول اپنے ہاتھ میں لینے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ لیبیا کے کرنل قذافی اس معاملے میں بھی پیش پیش ہیں۔ انہوں نے ابھی سے ۵۱ فیصد کنٹرول کا مطالبہ کر دیا ہے۔ اس ضمن میں ستمبر میں امریکی ہفت روزہ نیوز ویک کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "ہم اسوقت تیل کمپنیوں پر سو فیصد کنٹرول کا مطالبہ نہیں کر رہے ہیں۔ صرف ۵۱ فیصد چاہتے ہیں اگر تیل کمپنیاں ابھی سے سو فیصد کنٹرول ہمارے حوالے کرنا چاہتی ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ جنہیں ہمارے فیصلے سے اتفاق نہیں وہ اپنے ۴۹ فیصد سے بھی محروم رہیں گے، ۴۹ فیصد پہ بھی منافع کچھ کم نہیں ہے۔ تیل کی موجودہ قیمت کا دو تین سال پہلے کی قیمتوں سے موازنہ تو کرو" شہنشاہ ایران نے بھی تیل کمپنیوں کا کنٹرول فوری طور پر ایرانیوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ لیبیا اور عراق پہلے ہی چند تیل کمپنیوں کو قومیا چکے ہیں۔

تیل۔ بطور سیاسی ہتھیار

تیل کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کے بارے میں کرنل قذافی کا خیال ہے کہ "اگر اسے مناسب طور پر استعمال کیا جائے تو یہ جنگ کے مقابلے میں زیادہ مؤثر حربہ ثابت ہو گا۔ ہر آدمی جنگ میں اپنے پاس موجود ہر ہتھیار استعمال کرتا ہے یہ سوچنا حماقت ہے کہ ہم تیل کو امریکہ کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال نہیں کریں گے۔ لیکن اس سے قبل اس پر ہمارا کنٹرول ہونا چاہیئے۔ اگر تیل ہمارے ہاتھ میں ہو گا تو ہم امریکہ کو یہ باور کرا سکیں گے کہ اب اسرائیلی لابی کا امریکہ کی خارجہ پالیسی پر کنٹرول نہیں چل سکے گا۔

امریکہ کے ساتھ شاہ فیصل کی روائتی دوستی کے پیش نظر امریکہ کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ قذافی اور دوسرے عرب ممالک کی جانب سے تیل کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کی جو دھمکی دی جا رہی ہے، سعودی عرب اس میں شریک نہیں ہو گا۔ اور اس طرح یہ حربہ بڑی حد تک غیر مؤثر ہو جائے گا۔ لیکن شاہ فیصل کے حالیہ انتباہ اور کویت کے اجلاس میں شرکت اور پیداوار میں

کمی کے فیصلے سے امریکہ کی امیدوں پر اوس پڑ گئی ہے۔

جہاں تک اسرائیل کی حمایت کا تعلق ہے امریکہ اس سے دستبردار ہونے کے لئے ہرگز تیار نہیں بلکہ وہ فوجی قوت کے بل پر عربوں سے تیل حاصل کرنے کے منصوبوں پر بھی غور کرتا رہا ہے۔ امریکی ہفت روزہ نیوز ویک کے مطابق ستمبر میں پنٹاگون

یہ طریقہ ناممکن العمل ہے۔

امریکہ نے یورپ اور جاپان کو کچھ عرصے کے لئے عربوں کے تیل کا بائیکاٹ کرنے پر آمادہ کرنے کی بھی لاحاصل کوشش کی، لیکن اسے منہ کی کھانی پڑی۔ جاپان اور مغربی یورپ کے ممالک نے امریکہ سے اس ضمن میں تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ وہ



شیخ زاید

عرب ممالک تیل کی سپلائی بند کر کے امریکہ اور یورپی ممالک کا کاروبار ٹھپ کر سکتے ہیں

میں ایک خفیہ اجلاس طلب کیا گیا جس میں امریکی مسلح افواج کے جوائنٹ چیفس آف سٹاف نے شرکت کی اس اجلاس میں مشرقِ وسطیٰ میں فوجی کارروائی کے ذریعے عربوں کے دماغ ٹھکانے پر لانے کے امکانات پر غور کیا گیا۔ لیکن بالآخر یہی فیصلہ ہوا کہ

عربوں کی شرائط پر براہِ راست ان سے تیل خریدنے کیلئے تیار ہیں۔ ان حالات میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ امریکہ کو اپنی اسرائیل نواز پالیسی کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ اور بالآخر اسے اسرائیل کی بے جا حمایت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

الفتح

کا انقلابی گیت

ترجمہ

محمود شام

ہم کو نہیں قبول یہ پُر امن تصفیہ

ہم کو نہیں قبول یہ پُر امن تصفیہ
پلٹیں گے اب قدم، نہ جھکے گا ہمارا سر
نعروں سے گونجتی ہے فلسطین کی فضا

اُلعاصفہ، کے نام پر کرتے ہیں عہد ہم
اُلعاصفہ، کہ فتح ہے جس کے نصیب میں
ہم تو بیانگ دہل یہی کھائیں گے قسم

ہم کو نہیں قبول یہ پُر امن تصفیہ
پلٹیں گے اب قدم، نہ جھکے گا ہمارا سر
نعروں سے گونجتی ہے فلسطین کی فضا،

ہر زخم جسم کا ہے اسی عہد کا نقیب
اس عہد سے شگفتہ ہیں اقصائے آسماں
اس عہد سے ہی چمکیں گے اپنے سیہ نصیب

ہم کو نہیں قبول یہ پُر امن تصفیہ
پلٹیں گے اب قدم، نہ جھکے گا ہمارا سر
نعروں سے گونجتی ہے فلسطین کی فضا،

رک پائیں گے قدم نہ کبھی ہونگے سر ہی خم
سر بھی بلند اور علم بھی بلند ہیں
بڑھتے رہیں گے فتح کے رستے پہ دم بدم

ہم کو نہیں قبول یہ پُر امن تصفیہ
پلٹیں گے اب قدم، نہ جھکے گا ہمارا سر
نعروں سے گونجتی ہے فلسطین کی فضا

ہاتھوں میں ہے مشین گن، نظروں میں ہے وطن
جاری ہے اپنا مارچ کہ جب تک نہ جگمگاتے
دیوار و در پہ حریت کی صبح کی کرن

ہم کو نہیں قبول یہ پُر امن تصفیہ
پلٹیں گے اب قدم، نہ جھکے گا ہمارا سر
نعروں سے گونجتی ہے فلسطین کی فضا

اس عہد میں شریک شہیدوں کی روح بھی
ماؤں کی، بیٹیوں کی زباں پر یہ عہد ہے
یہ گولیوں کا شور بھی کہتا ہے اب یہی

ہم کو نہیں قبول یہ پُر امن تصفیہ
پلٹیں گے اب قدم نہ جھکے گا ہمارا سر
نعروں سے گونجتی ہے فلسطین کی فضا

سمیع القاسم کی ایک نظم

میں آخر دم تک لڑتا رہوں گا

ابنِ انشا

اگر مجھے اپنی روٹی سے دست کش ہونا پڑے
اگر مجھے اپنا پیراہن اور بستر بھی بازار میں بیچنا پڑے
اگر مجھے شیشے سے پتھر توڑنے پڑیں
قلی گیری کرنی پڑے
خاک روب بننا پڑے
تیرے گودام کی صفائی کرنی پڑے
یا کھانے کی چیز کی تلاش میں کوڑے کے ڈھیر کو کھنگالنا پڑے
فاقہ کرنا پڑے
زیر ہونا پڑے
تب بھی اے دشمنِ انساں
میں مصالحت نہ کروں گا
آخر دم تک لڑتا ہی رہوں گا

جا اور میری زمیں کے آخری چپے کو بھی ہتھیا لے
میری جوانی کو حجرۂ اسیری میں پھینک دے
میرا ورثے میں ملا مال لوٹ لے
مری کتابیں آگ میں جھونک دے
مری رکابی اپنے کتوں کے آگے ڈال دے
جا اور مرے گاؤں کی چھتوں پر
اپنے تشدد اور استبداد کا جال پھیلا دے
اے دشمنِ انساں!
میں تجھ سے مصالحت نہ کروں گا
آخر دم تک لڑتا ہی رہوں گا

اگر تو مری آنکھوں کے سامنے ساری شمعیں پھونک مار کر بجھا دے
اگر تو ہونٹوں پر تمام بوسوں کو منجمد کر دے
اگر تو مرے وطن کی فضا میں گالیوں کی بو بسا دے
مری فریاد کو دبا دے
مرے وطن میں کھوٹے سکے بنا بنا کر چلا دے
مرے بچوں کے چہروں کو مسکراہٹ سے محروم کر دے۔
ہر طرف دیواریں ہی دیواریں کھڑی کر دے
اور مری آنکھوں کو ذلت و خواری دیکھنے پر مجبور کر دے
تب بھی اے دشمنِ انساں
میں تجھ سے مصالحت نہ کروں گا
آخر دم تک لڑتا رہوں گا
اے دشمنِ انساں

دیکھ بندر گاہوں پر سگنل بلند کر دیئے گئے
فضا میں ندائیں بلند ہو رہی ہیں، بلا رہی ہیں
افق پر بادباں ہی بادباں لہرا رہے ہیں
ہر طرف، ہر جگہ
جہاد کے بادباں
سرتابی کے بادباں
یولیسیس۔ بادباں لہراتا گھر آ رہا ہے۔
بحر گمشدگاں سے لوٹ رہا ہے
مبارک ہو کہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔
انسان آگے بڑھ رہا ہے
اور اس کی خاطر میں قسم کھاتا ہوں
میں مصالحت نہیں کروں گا
لڑتا رہوں گا
آخر دم تک لڑتا رہوں گا
ہاں میں لڑتا رہوں گا

محمود شام

چلو کہ خون کی مہکار آ رہی ہے ہمیں

چلو کہ خوُن کی مہکار آ رہی ہے ، ہمیں
چلو کہ یاسرؔ عرفات نے صدا دی ہے
"کہ اب تو ارضِ فلسطین بھی ہنوئی ہے"
چلو کہ لیلےٰ خالد بُلا رہی ہے ، ہمیں
چلو کہ خون کی مہکار آ رہی ہے ہمیں

فدائیانِ فلسطیں، سروں پہ باندھے کفن
کھڑے ہیں موت کی سرحد پہ لے کے اپنے عَلم
کہ سامراج کے در پہ نہ ہوں گے سَر اب خم
اُٹھو کہ فتح کی خوشبو جگا رہی ہے ہمیں
چلو کہ خون کی مہکار آ رہی ہے ہمیں

چلو کہ سطوتِ شاہی کو آ گیا ہے زوال
چلو قریب ہوئی صبحِ اقتدارِ عوام
چلو کہ ٹوٹ گئے سازشوں کے سارے دام
صبا بشارتِ نصرت سُنا رہی ہے، ہمیں
چلو کہ خون کی مہکار آ رہی ہے ہمیں

اُلٹ رہا ہے زمانہ ستمگروں کی بساط
اُٹھاؤ ہاتھ میں بندُوق اور سَر پہ کفن
کہ سامراج کے پالے نہ بیچ ڈالیں وطن
چلو کہ وادیٔ زرقا بُلا رہی ہے ہمیں
چلو کہ خون کی مہکار آ رہی ہے ہمیں



فلسطینی حریت پسندوں کے دو گیت

انقلابی نغمے

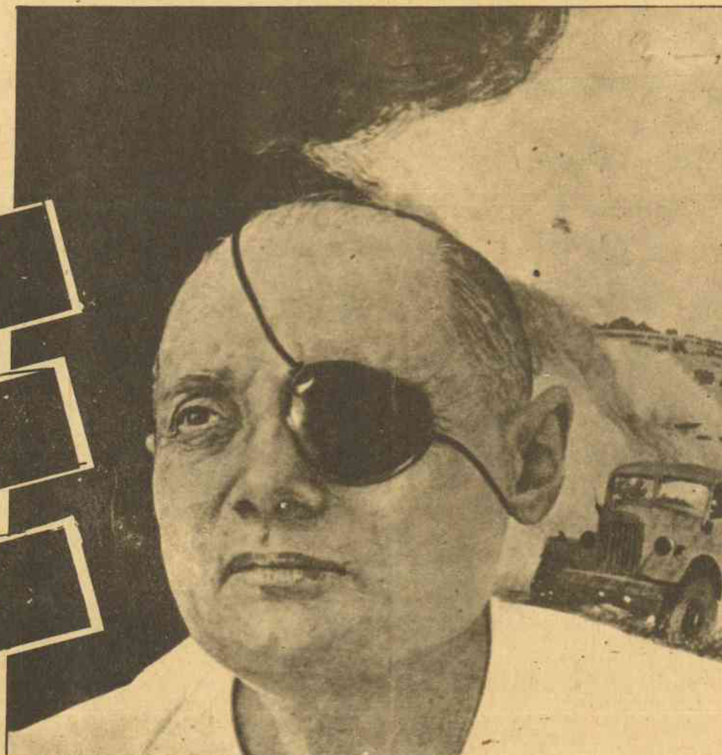
ترجمہ، وحاب صدیقی

فتح کی تقریب میں
مَیں مارچ کر رہا ہوں، اپنا انتقام لینے کے لئے
مَیں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنا انتقام لوں گا
مَیں نبلس کو آزاد کراؤں گا
مَیں خاں یونس کو آزاد کراؤں گا
مَیں اپنی زمین، آتش فشاں پہاڑوں کو ہر گز، ہر گز
دوسروں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑوں گا
مَیں طوفان ہوں، آتش فشاں ہوں، مَیں انقلاب ہوں
مَیں ایک فدائی ہوں جو موت سے نہیں ڈرتا
موت کتنی بار آتی ہے ؟
ہاتھوں میں بندوق لے کر، مَیں اپنے وطن کی زمین پر
مارچ کرتا ہوں، فتح کی تقریب میں
مَیں قسم کھاتا ہوں کہ دشمن کے سامنے پسپا نہ ہوں گے
فدائین، ان سے آگ اور بندوق کی زبان میں بات کرینگے
مَیں اپنے پرچم کو ہمیشہ سر بلند رکھونگا، یا مَر جاؤں گا، اپنے وطن کی
زمین پر ! میرے جسم سے عوام اٹھیں گے۔
فتح کا پرچم لئے ہوئے اور وطن کو آزاد کرائیں گے
فتح کی تقریب میں ۔

میرا خون، میری سڑک، میرا ملک، میری قومیت
مَیں ایک فلسطینی عرب ہوں
مَیں انقلاب کی تڑپتی ہوئی آگ کی ایک چنگاری ہوں
مَیں جسم چھیدنے والا ایک چمکدار نیزہ ہوں
مَیں فائر ہونے والا بُلٹ ہوں
مَیں توپ کے ٹرگیر پر جما ہوا مضبوط ہاتھ ہوں
یروشلم میں، حیفہ اور رملا
مَیں مقبوضہ علاقوں کا انقلاب ہوں،
آزادی کا یہی وہ راستہ ہے جسے فدائین کے ہاتھوں نے کھولدیا ہے
اپنے ہاتھوں سے، خنجروں اور برچھیوں سے
کدالوں سے، راکٹ اور بندوقوں سے، ہم لڑیں گے،
یہ ہمارے عوام کا عزم ہے، یہ انقلاب ہے،
میرا خون، میری سڑک، میرا ملک، میرا نام، میری قومیت
مَیں ایک فلسطینی عرب ہوں !

اشرف شاد

موساد
ایمن
شباک



موشے دایان کی ۳ آنکھیں

میرے سامنے اس وقت اسرائیل کی ایک خفیہ دستاویز ہے۔ اس کا عنوان ہے "تل ابیب کی آنکھ" (EYE OF TEL AVIV) جو اسی ماہ پیرس سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب دو صحافیوں نے ترتیب دی ہے جو مشرقِ وسطیٰ کی سیاست کے ماہرین شمار کئے جاتے ہیں۔ ان میں ایک اسرائیلی ہے اس نے اسرائیل میں ایک طویل عرصے تک قیام کرنے کے بعد اس حیرت انگیز دستاویز کی ترتیب کے لئے حقائق پر مبنی مواد اکٹھا کیا ہے۔ اس دستاویز میں صیہونی عزائم کی تکمیل کے لئے کی جانے والی سازشوں کو کامیاب بنانے والی خفیہ جاسوسی تنظیموں کا راز افشا کیا گیا ہے۔

اسرائیل ان خفیہ تنظیموں کے ذریعے کس طرح عربوں کے خلاف منافرت پھیلا رہا ہے۔ کس طرح ان کو دوسرے ممالک، خصوصیت کے ساتھ مسلم ممالک کی حمایت سے محروم کرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور کس طرح اس کے ایجنٹ مختلف ملکوں میں طرح طرح کے اندیشوں اور خطرات کا ہوا کھڑا کر کے مجاہدین فلسطین کی جنگِ آزادی کی اہمیت کو کمتر ثابت کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے اہم سوالات پر، جو عربوں کی تاریخی جدوجہد میں متبادل اہمیت رکھتے ہیں۔ اس میں پہلی بار تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ یہ وہ اہم راز ہیں، جن کے بل بوتے پر اسرائیل کو عربوں پر فوجی برتری حاصل ہے۔ ان حیرت انگیز انکشافات کی روشنی میں اگر ہم اپنے گردوپیش کا جائزہ لیں تو اور بھی بہت سے رازوں کا سراغ مل سکتا ہے۔

موشے دایان کی آنکھیں

اسرائیلی وزیرِ جنگ موشے دایان ایک آنکھ سے محروم ہے۔ لیکن اس کی تین اور پوشیدہ آنکھیں ہیں۔ یہ خطرناک آنکھیں تین مختلف سمتوں میں بیک وقت کام کرتی ہیں۔ ان کے ذریعے وہ تل ابیب سے سازشوں کے جال پھیلاتا ہے۔ اور تمام دنیا میں صیہونیت کے خلاف ہونے والی سرگرمیوں کی نگرانی کرتا ہے۔ دایان کی تین آنکھیں اسرائیل کے تین خفیہ ادارے ہیں جو سفاکی اور بہیمانہ سازشی کارروائیوں کے اعتبار سے جرمن گسٹاپو، امریکی سی آئی اے اور فرانس کی سیکرٹ سروس ڈی ایس ٹی کے ہم شبیہ ہیں، یہ تاریخی

دستاویز انہی تین خفیہ جاسوس تنظیموں کی سازشوں اور سرگرمیوں کی داستان پر محیط ہے۔

تینوں اداروں میں سے ایک آج سے ۳۳ برس پہلے تشکیل پایا تھا۔ دوسرے ادارے بھی خاصے قدیم ہیں۔ یہ تمام ادارے جدید ترین سائنسی آلات سے لیس ہیں اور متعدد سائنسدان ان کی سرگرمیوں کو جدید ترین آلات کی سہولت پہنچانے کے لئے کوشاں ہیں۔ دنیا کے ہر ملک میں ان کے خفیہ ایجنٹ موجود ہیں۔ دنیائے عرب ان کی سرگرمیوں کا اولین محور ہے اور خصوصاً اپنے دشمن نمبر ایک متحدہ عرب جمہوریہ میں اپنے ایجنٹوں کے توسط سے انہوں نے سازشوں کا جال بچھا رکھا ہے۔ فرانس میں ان تنظیموں کا بڑا گہرا اثر و رسوخ ہے، فرانسیسی حکومت خصوصاً بحریہ اور خفیہ پولیس کے اعلیٰ عہدیداران ان کے لئے فرش راہ رہتے ہیں۔ بڑے واضح شواہد کی روشنی میں یہ انکشافِ حقیقت کسی بھی زاویے سے کمزور معلوم نہیں ہوتا کہ جون، ۱۹۶۷ء میں عربوں پر اسرائیلی حملے کا منصوبہ فرانس کی سرزمین پر تیار ہوا تھا۔ اسرائیل کے توسیع پسند عزائم کے لئے ان خفیہ اداروں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں ان کے بعد اسرائیل کی مسلح افواج ان کے اشاروں کے بغیر حرکت بھی نہیں کر سکتیں۔ جون، ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عرب ممالک پر اسرائیل کو محض انہیں اداروں کی کارکردگی کے باعث بالادستی حاصل ہو سکی تھی ——————

مشرقِ وسطیٰ کی صورتحال میں انقلابی تغیرات پیدا کرنے والی اس جنگ کے علاوہ ان اداروں نے حال ہی میں فرانس سے پانچ جنگی آبدوز کشتیوں کے اغوا، ارجنٹینا سے ریڈولف ایچمین کے اغوا، اور مصری راڈار اسٹیشن کی چوری کے جو معرکے سر کئے ہیں انہوں نے عالمی پریس کی توجہ بھی اپنی جانب مبذول کرائی ہے، ساتھ ہی انہوں نے عرب ممالک کی جاسوسی تنظیموں کو جن کی توانائیوں کا بیشتر حصہ ایک اندرونی احوال کی جاسوسی کرنے میں صرف ہوتا ہے، ایک بار پھر ایک زبردست چیلنج پیش کیا ہے۔ ان اداروں کے پاس ایک سنسنی خیز جاسوسی کمپیوٹر سسٹم بھی موجود ہے جسے اسرائیل میں جون، ۱۹۶۷ء کی جنگ کا فاتح بھی کہا جاتا ہے، اس کمپیوٹر کے پاس عرب افواج کے کمانڈروں کے گھریلو حالات تک کی تفصیلات موجود ہیں (اس کا تفصیلی ذکر ہم آگے کر رہے ہیں) ان کارناموں کے بعد یہ تنظیمیں اسرائیل کے لئے ریڑھ کی ہڈی بن گئی ہیں اور موشے دایان انہیں اپنی تین آنکھیں قرار دیتا ہے۔

ان اداروں میں "موساد" (MOSSAD) سب سے زیادہ پرانا ادارہ ہے۔ دوسرا ادارہ "امین" (AMAN) ہے جو امریکہ کے بدنام زمانہ جاسوس ادارے سی آئی اے کے مماثل اور مشابہ ہے۔ جبکہ تیسرا ادارہ "شباک" (SHABAK) اندرونِ اسرائیل اور عرب علاقوں میں سرگرم عمل ہے۔ اسے فرانس کی خفیہ تنظیم ڈی ایس ٹی کی طرز پر تشکیل دیا گیا ہے۔

موساد

"موساد" کی تشکیل ۱۹۳۷ء میں ہگانہ کے اسرائیلی فوج کے خفیہ ارکان نے کی تھی۔ اس کا پورا نام "موساد لیلیہا بیتھ" (MOSSAD LEALIAYAH BETH) تجویز کیا گیا تھا، اس وقت اسے یہودی تارکین وطن کی دوسری کھیپ کو فلسطین تک پہنچانے کی ذمہ داری سپرد کی گئی تھی، موساد نے ۱۹۳۹ء کے وہائٹ پیپر میں وضع کردہ برطانوی پالیسی کے خلاف یہودیوں کی فلسطین تک ہجرت میں ایک انتہائی اہم کردار انجام دیا۔ صیہونی رہنما اس زمانے میں اس حقیقت سے آشنا تھے کہ صیہونی عزائم کی تکمیل کے لئے سینۂ عرب پر ایک علیحدہ ریاست کی تشکیل کی کوشش میں انہیں بعض عرب ممالک کی مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ اس لئے انہوں نے تمام تر دوراندیشیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے



مُصر پر اسرائیلی حملے کا منصوبہ فرانس میں تیار کیا گیا!

جدید ترین اسلحہ اس دور میں جمع کرنا شروع کیا تھا، یہ ذمہ داری بھی 'موساد' کے سپرد کی گئی تھی جس نے اسلحہ جات کے حصول کے لئے ایک جامع اور خفیہ منصوبہ تیار کر کے اسے عملی جامہ بھی پہنایا۔ اس کے ساتھ ہی صیہونی لیڈروں نے اپنی باہمی آویزش کے لئے بھی "موساد" ہی کو استعمال کیا اور انتہا پسند صیہونی تنظیموں "ارگن" اور "سٹیرن" کی سرگرمیوں پر بھی کڑی نگرانی رکھی، تاکہ کسی بھی وقت وہ ہگانہ کی لیڈر شپ کے لئے مسئلہ نہ بن سکیں۔

"موساد" کے ارکان کو اس وقت تک بحری مہمات کا تجربہ نہ تھا۔ لہٰذا اس کے نوجوان ارکان نے ایک کڑی تربیت کے بعد یہ مرحلہ بھی مکمل کیا اور اسی دور کے ایک نوجوان نے ۱۹۶۹ء کی کرسمس کی رات فرانس کی پانچ جنگی کشتیوں کو اغوا کر کے تل ابیب لے جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ نوجوان آج کل ایڈمرل یمین کے نام سے معروف ہے۔ فرانس کی ان جنگی کشتیوں کا اغوا، موساد کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ جس نے خفیہ سرگرمیوں کے جال اور اس کی تیز تر ریشہ دوانیوں کی سنگینی کو ظاہر کر دیا ہے۔ فرانس میں موساد نے اپنی سرگرمیوں کا جو جال پھیلا رکھا ہے اس نے مشرقِ وسطیٰ کے بارے میں فرانس کی پالیسی کے سلسلے میں کئی اندیشے پیدا کر دیئے ہیں اور مبصرین کا اب یہ خیال بھی عام ہے کہ فرانسیسی حکومت کی اسرائیل دشمن پالیسی ایک فریب کے سوا کچھ نہیں۔ اس خیال کو ان شواہد سے بھی تقویت ملتی ہے کہ فرانس کی انتہائی جنگی اہمیت کی آبدوزیں جس سہل انداز میں تل ابیب پہنچی ہیں۔ ان سے یہ بات قرینِ قیاس محسوس نہیں ہوتی کہ یہ سب کچھ محض فرانسیسی حکومت یا اس کے اعلیٰ ارکان کے تعاون کے بغیر عمل پذیر ہوا ہے۔ مزید برآں جون میں عرب ممالک پر اسرائیلی حملہ کے منصوبے کا بڑا حصہ بھی فرانس ہی میں تیار ہوا تھا۔ یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موساد کا ایک خفیہ ریڈیو ٹرانسمیٹر فرانس کے ایک سابق وزیرِ اعظم کے سابقہ پرنسپل سیکرٹری اینڈرے بلومیل کے گھر میں نصب تھا۔ فرانس

نے یہودیوں کی فلسطین ہجرت کے لئے بھی مرکزی راستے کا کام انجام دیا تھا۔ اور اس سلسلے میں اس نے اس بات کی بھی پرواہ نہ کی تھی کہ اس کا یہ اقدام برطانیہ کے ساتھ ایک سنگین بحران کا باعث بن سکتا ہے۔ فرانس میں موساد کا یہ جال صیہونی مقاصد کے اس منصوبے کا حصہ تھا کہ اسرائیل کو غیر ممالک سے بہتر سفارتی تعلقات قائم کرنے چاہئیں، اس سارے منصوبے میں بھی بنیادی کام موساد نے ہی انجام دیا تھا۔ خصوصاً یورپ کے سامراجی ممالک میں اسے اپنے اس کام میں خاطر خواہ نتائج حاصل ہوئے۔

امین

سی آئی اے امریکہ کی بدنام زمانہ تنظیم ہے۔ جس نے سامراجی عزائم کی تکمیل کے لئے کم و بیش ہر ملک میں اپنی سازش کے جال پھیلا رکھے ہیں۔ عرب ممالک میں اپنے جارحانہ مقاصد کے حصول کے لئے سازشوں اور بغاوتوں کے ذریعے اسرائیل کا

اشتراکی ممالک کی جاسوسی تنظیموں کو اسرائیل بہت بڑا خطرہ سمجھتا ہے!

راستہ صاف کرنے میں وہ ایک بڑا کردار انجام دے رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسرائیل نے اپنی مدد آپ کرو کے اصول کے تحت بالکل سی آئی اے کی طرز پر ایک علیحدہ ادارہ تشکیل دیا ہے جس کے کارنامے بھی اسی قدر سیاہ اور کریہہ ہیں جس قدر امریکی سی آئی اے کے۔ یہ ادارہ جو امین کے نام سے موسوم ہے موشے دایان کی دوسری آنکھ کا کام کرتا ہے۔ اس کا پورا نام "اگاف موڈین" (AGAF MODIIN) ہے جس کے معنی انفارمیشن بیورو کے ہوتے ہیں اور یہ فوج کی انٹیلی جنس برانچ کے طور پر سرگرم عمل ہے۔ ہر ملک میں اس کے خفیہ فوجی ایجنٹ متعین ہیں۔ پریس اور انفارمیشن کی ایک علیحدہ سروس ہے اور یہ فوج سے متعلق ضروری سنسر شپ کے قواعد و ضوابط وضع کرنے کا کلی مختار ہے۔ تل ابیب کے تمام نامہ نگاروں کو اسی کے توسط سے اپنا سارا کام انجام دینا پڑتا ہے، یہ ادارہ ان عرب ممالک کے خلاف عالمی پروپیگنڈے کے ذریعے عالمی رائے عامہ ہموار کرنے کا کام بھی انجام دیتا ہے۔ اس سلسلے میں مصر، شام اور عراق اس کا نشانہ ہیں۔ غیر ممالک میں اس کام کے لئے پریس کا میڈیا حاصل کرنے کے واسطے ایک زرِ کثیر تھی اس کے توسط سے تقسیم ہوتی ہے۔

۱۹۵۶ء کے بعد "امین" کو بھی ہمہ گیر قسم کی وسعت عطا کی گئی۔ جس کی وجہ سے اب یہ موساد کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت حاصل کر گیا ہے۔ تاہم موساد کی روایتی بالادستی ہنوز قائم و دائم ہے۔ اسرائیل کی فوجی سرگرمیوں کے لئے اس کی اہمیت اس لئے بھی واضح ہوتی ہے کہ اسرائیل کے اصل دشمن مصر، شام اور عراق ہیں اور یہاں تقریباً فوجی حکومتیں قائم ہیں۔ جن کے بارے میں مکمل اطلاعات کا حصول اسرائیل کے وجود کے لئے ضروری ہے۔ امین کے پاس عرب ممالک کی فوجی قوت کے بارے میں ایک ایک اطلاع موجود ہے، یہ تفسیاتی جنگ اور ہر اعتبار سے عرب ممالک پر حاوی ہے اور اس کی یہی زبردست باخبری ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عرب فوجوں پر اس کی برتری کی ایک بڑی وجہ بھی ہے۔ عرب ممالک کے وہ تمام قیدی جو ۱۹۶۷ء کی جنگ کے دوران اسرائیل کے ہاتھ آئے تھے۔ ان سے پوچھ گچھ کا مرحلہ امین کے توسط سے ہی طے پایا۔ اس سلسلے میں "امین" نے اتنے حیرت انگیز سائنسی طریق کار ترتیب دے رکھے تھے جن کے باعث یہ قیدی اپنے ممالک کے انتہائی اہم فوجی راز افشا کرنے کا سبب بن گئے۔ اس سلسلے میں امین کا کمپیوٹر سسٹم ایک حیرت انگیز اہمیت کا حامل ہے۔

کمپیوٹر سسٹم

امین کے اس طریقہ کار کو جدید ترین اور سائنسی بنانے کا سہرا اسرائیلی سائنسدان یووال نیمن کے سر ہے اور اسرائیلی حکومت نے اس اعتراف کے طور پر ۱۹۶۹ء میں اسے "البرٹ اینسٹن پرائز" سے بھی نوازا ہے، نیمن کے اس کمپیوٹر نے اپنی مثالی کارکردگی سے عرب اسرائیل کی جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل کے لئے جیتنے کا میدان ہموار کر دیا تھا اور اسرائیل نے جس وقت عرب ممالک پر حملے کا منصوبہ تیار کیا تھا اس وقت اس کے پاس عرب افواج کے بارے میں ایک ایک اطلاع موجود تھی۔ نیمن نے ۱۹۵۴ء میں "امین" میں شرکت کی تھی، اس وقت جنوبی افق پر جمال عبدالناصر مصر کی افواج کو جدید ترین بنانے کا ایک جامع منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ یہ منصوبہ اسرائیل کو اپنے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار کی مانند نظر آ رہا تھا۔ نیمن کو اسرائیل کی خفیہ سروس کے نظام میں جدید ترین انقلابی تبدیلیاں کرنے کا کام سپرد کیا گیا۔ اس نے اسی وقت اپنی وزارتِ دفاع کو کمپیوٹرز سسٹم کا منصوبہ پیش کیا۔ اس کی یہ تجویز اس وقت اس کے لئے شدید مضحکہ کا باعث بنی اور کہا یا اس سے کہا گیا۔ آپ نے قصہ کہانیوں اور سائنس فکشن کی جو کتابیں پڑھی ہیں۔ ان کی بنیاد پر عربوں کے خلاف جنگ مول لینا مذاق نہ ہوگا۔ اس وقت وزیر یک چشم موشے دایان نے معاملہ سلجھایا اور الیکٹرونکس اور ایسے ہی تمام علوم سے یکسر ناواقفیت کے باوجود نیمن کو کمپیوٹرز کے منصوبہ پر کام کرنے کی اجازت دلوا دی۔ اور پھر امریکہ سے درآمد کیا ہوا یہی کمپیوٹر ۱۹۵۶ء کی جنگ کے بعد امین کی کارگزاری کو بہتر سے بہتر بنانے کا سبب بن گیا۔ عرب قیدیوں سے پوچھ گچھ کے دوران یہ کمپیوٹر ان کے بظاہر انتہائی غیر اہم جوابوں سے معلومات کا ایسا خزینہ دریافت کرتا ہے جو نہ صرف محیر العقل بلکہ بڑی حد تک سنسنی خیز بھی ہے اس کمپیوٹر سسٹم کی تنصیب اور اسے اتنا جدید ترین بنانے میں امریکہ نے اسرائیل کی مکمل اعانت کی اور کمپیوٹر سیٹ کے تحفہ کے علاوہ ہارورڈ یونیورسٹی کے وہ طلبہ بھی اسرائیل کو بھیجے جو اس کمپیوٹر کے سلسلے میں مہارت رکھتے تھے۔

اس کمپیوٹر کا طریقہ کار بھی بڑا دلچسپ ہے اور پوچھ گچھ کے لئے معمول بننے والے قیدیوں کو یہ قید کی تاریخ کا سہل ترین مرحلہ معلوم ہوتا ہے۔ نیمن نے اس کمپیوٹر میں مصری افواج کے تمام افسران کے بارے میں مکمل تفصیلات جمع کیں، اسکندریہ اور قاہرہ کے روزناموں سے حاصل ہونے والی معلومات کی بنیاد پر ان افسروں کے عہدے، ان کی ترقیاں، تقرری اور گھریلو حالات یہ تمام تفاصیل کمپیوٹر میں جمع کر لی گئی تھیں۔ ۱۹۵۶ء میں اسرائیل نے جو مصری قیدی گرفتار کئے تھے۔ ان میں سے بعض سے اسرائیل نے اسی کمپیوٹر کے ذریعے بڑی قیمتی فوجی معلومات حاصل کیں۔ فوجی قیدی کے لئے پوچھ گچھ کے مرحلے کا تصور ہی بڑا دہشتناک ہوتا ہے۔ لیکن کمپیوٹر کے سامنے کسی سخت گیر جلاد فوجی افسر کے بجائے جب ایک

طریقۂ کار کے تحت کمپیوٹر کے اس جال میں پھنسایا گیا۔
اور عرب افواج کے بارے میں کمپیوٹر کے پاس تازہ ترین معلومات کا ذخیرہ تیار ہوگیا ہے ماہرین نے کمپیوٹر کے علاوہ ایسے زود حس آلات بھی ایجاد کئے ہیں جو کئی سو گز کے فاصلے پر دشمن کے کیمپوں پر ٹیلی فون لائن پر ہونے والی بات چیت ٹیپ کر لیتے ہیں، اسرائیلی گشتی دستوں نے ٹیلی فون لائن ٹیپ کرنے کے اس طریقۂ کار کے تحت عرب افواج کی بیشتر گفتگو ریکارڈ کی ہوئی ہے۔

موشے دایان کی اس دوسری آنکھ ایلین نے عرب افواج کو مفلوج کرنے کے لئے جو دوسرے سائنسی ذرائع اختیار کئے ہیں ان میں مخالف ملک کے راڈار کو ناکارہ بنانے کا طریقۂ کار بھی زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ اس طریقۂ کار کو بروئے کار لاتے ہوئے اسرائیل نے جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں مصر پر اچانک ہوائی حملے کئے تھے، اور جیت کا رخ اپنی جانب موڑ لیا تھا۔

شباک

امریکی ایف بی آئی کی طرز پر قائم شدہ یہ تیسرا جاسوسی ادارہ شن بیتھ (SHIN BETH) جو "شباک" کے نام سے موسوم ہے۔ اندرونی جاسوسی نظام پر کلی اختیار رکھتا ہے۔ اور تمام اندرونی خفیہ تنظیموں کا جال اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسرائیل میں دوسرے ممالک کی خفیہ سرگرمیوں کا سراغ لگانے کا کام بھی یہی کرتا ہے۔ عرب مقبوضہ علاقوں میں جو تین لاکھ عرب موجود ہیں، اسرائیل انہیں اپنے لئے ایک بڑا خطرہ سمجھتا ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ اسرائیل کے خلاف جو تخریبی حقیقت کا بھی انکشاف کیا کہ ۱۹۶۷ء کی اس چھ روزہ جنگ کا منصوبہ فرانس میں تیار کیا گیا تھا۔ ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ کے دوران اسرائیل نے جو قیدی گرفتار کئے تھے انہیں بھی اسی اسمارٹ سا آدمی بڑے خوشگوار لہجے میں چائے کے ایک کپ کے ساتھ بڑے غیر متعلق سوالات کرنے کے لئے مخاطب ہوا تو قیدی کے لئے یہ دہشتناک مرحلہ خاصا خوشگوار ہو گیا۔ یہ سوالات اس نوعیت کے تھے "آپ کس قسم کی گاڑی کو ڈرائیو کر کے لطف اندوز ہوتے ہیں؟ زید کے پاس آخر اتنی اچھی گاڑی کیوں ہے؟؟ اچھا اپنی گاڑی میں گھر سے کیمپ جانے میں آپ کا کتنا وقت صرف ہوتا ہے؟!!"

ان بے ضرر سوالات کے بعد کمپیوٹر کا ایک مخصوص بٹن دباتے ہی معمول کے بارے میں ساری ضروری معلومات بہم پہنچ گئیں کہ قیدی با آسانی رام ہو جائے گا یا ذرا سخت ثابت ہوگا۔ دیانت دار ہے یا بدکردار، کمزور ذہن رکھتا ہے یا استقامت کا حامل ہے وغیرہ وغیرہ ——
اسی طرح اس کمپیوٹر نے مخالف فوج کے افسروں اور کمانڈروں کے بارے میں یہ تمام نفسیاتی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اور ۵ جون ۱۹۶۷ء کی صبح محاذ جنگ پر اسرائیلی فوج کا کمانڈر جب میدان جنگ میں گیا تو وہ یہ جانتا تھا کہ اس

کمپیوٹر کے
پاس عرب
کمانڈروں کے
ذاتی حالات
کی تفصیلات
موجود ہیں

کا جس کمانڈر سے سامنا ہوگا اس کی نفسیاتی خامیاں کیا کیا ہیں اور ان سے کیونکر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔
جون ۱۹۶۷ء سے قبل ایلین کے کمپیوٹر کے پاس عرب افواج کے بارے میں معلومات کا اتنا خزانہ جمع ہو گیا تھا کہ اسرائیل کے فوجی مراکز کو اپنی مخالف فوج کے ہر شخص اور ہر گوشے کے بارے میں ہر اطلاع حاصل تھی۔ اس سلسلے میں فرانس کے تعاون کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا جس کی بحریہ نے طولون کے مقام پر اس وقت کی فرانسیسی مسلح افواج کے وزیر پیری پلیسمر کی منظوری سے ہر ممکن معاونت فراہم کی تھی۔ اس روشنی میں بعض عرب رہنماؤں نے اس

کارروائیاں ہو رہی ہیں ان مہاجرین کے کیمپ ہی ان کا مرکز ہیں۔ اس اعتبار سے "شباک" کے جاسوس ان کیمپوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہیں تاکہ مجاہدانہ سرگرمیوں کے اس مرکز کو معطل کر دیا جائے۔ اشتراکی ممالک کی جاسوسی تنظیمیں اسرائیل کیلئے بڑا خطرہ ہیں اسی لئے ان اشتراکی ممالک کے جاسوسوں کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے "شباک" میں ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا گیا ہے (یہ حقیقت شاید بعض عناصر کو ناگوار گزرے گی، کیونکہ اس سے بھی اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ اسرائیل کے مقابلے میں عرب ممالک کی حمایت میں اشتراکی ممالک کا جو کردار ہے اس سے خود اسرائیل کتنا خوفزدہ ہے) شباک میں اسی طرح کا ایک علیحدہ شعبہ عرب ممالک کے جاسوسوں کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے بھی قائم ہے ان مخصوص اور علیحدہ شعبوں کا براہ راست فوج سے رابطہ قائم ہے۔

اسرائیل کے جاسوسی اداروں کے اس زبردست جال کے مقابلے میں ہمارے عرب ممالک کے اداروں کے جاسوس اداروں کا جال بڑا ابتلا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی تمام تر دلیری کے باوجود محاذوں پر پسپا ہوئے ہیں۔ اس دستاویز سے اخذ کردہ معلومات کی بنیاد پر تینوں تنظیموں کا جو احوال بیان کیا گیا ہے، اس نے یہ صورت حال بہت واضح کر دی ہے کہ اسرائیل کو فرانس، برطانیہ اور امریکہ کا بھرپور ساتھ حاصل ہے اور وہ ان کی پشت پناہی حاصل کرنے کے بعد ایشیا و افریقہ کی مکمل آزادی و خود مختاری کی راہ میں ایک بڑے پتھر کی طرح حائل ہو گیا ہے۔ اس طرح وہ سامراجی ممالک کے اس مفاد کی نگرانی کر رہا ہے، کہ افریشیائی اقوام ایک اکائی نہ بننے پائیں اور ان ممالک میں سامراجی عزائم کی تکمیل کا سلسلہ جاری رہے۔ اسرائیل اپنی ان تنظیموں کے ذریعے سامراجیوں کے خاص سازشی انداز میں کام کر رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں سامراج شکن مجاہدین کے پاس نہ سازشی انداز ہیں اور نہ جدید ترین سائنسی ایجادات کی سہولتیں، وہ سچائی اور صداقت کے ہتھیاروں سے لیس اور قربان ہو جانے کے جذبے سے معمور ہیں۔ اور اپنے اس ہتھیار اور جذبے کے ساتھ وہ سامراجی عزائم پر ایسی کاری ضربیں لگا رہے ہیں کہ اس خطے سے بہت جلد سامراجی بت کدہ پاش پاش ہو جائیگا۔

لیلیٰ خالد



نے کہا

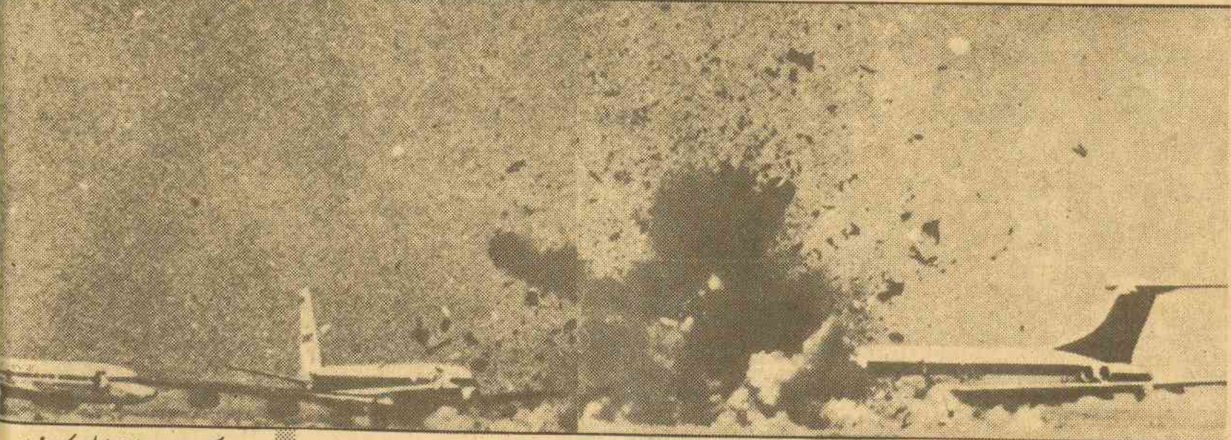
جب تک میرا وطن آزاد نہیں ہوتا میں

زندگی کی بجائے موت ہی پسند کرتی رہوں گی

لیلیٰ خالد کے کارناموں
بہادری کو دا

اس کے جذبۂ حریت و شجاعت نے پوری د
اقوام عالم اپنی توجہ مسئلہ فلسطین کی جانب
مجبور ہو گئیں

۶ ستمبر ۱۹۷۰ء کو لیلیٰ خالد کو برطان
اس سے ایک پولیس افسر نے پوچھا "کیا تمہیں
تھی کہ جس اسرائیلی جہاز کو تم تباہ کرنے جا ر
معصوم بچے اور بے گناہ عورتیں بھی تھیں"
کر جواب دیا "مجھے سب کچھ معلوم تھا لیک
بات معلوم نہیں ہے کہ اسرائیلی فوجی فلسطی
پیٹ پر کودتے ہیں اور ان کے بچوں کو سنگی
اچھالتے ہیں" یہ جواب سن کر پولیس افسر
لیلیٰ خالد نے ایک اخباری نمائندے
میں کہا۔ "میرا بچپن مہاجرین کے کیمپ میں گ
جوان ہوئی۔ بیروت کی امریکی یونیورسٹی
ہونے کے بعد تحریک آزادی فلسطین میں
نے آزادی یا موت کا اٹل فیصلہ کر لیا"۔ یہ ج
لڑکی نے دیا جو لندن کے ایلنگ پولیس اس



جس کے چاروں طرف پولیس کا سخت پہ
پر موت کی تلوار لٹک رہی تھی۔ یہ لڑکی
کہہ رہی تھی: "مجھے موت پسند ہے۔ مجھے
نہیں۔ میں کسی بھی محاذ پر اسرائیل پر رحم

لیلیٰ خالد کا یہ انٹرویو لندن کے دو صحافیوں نے اس وقت لیا تھا جب برطانوی حکومت نے ۶ ستمبر ۱۹۷۰ء کو انہیں لندن کی فضا میں گرفتار کیا، لیلیٰ خالد کی گرفتاری غیر قانونی تھی۔ گرفتاری کو جائز بنانے کے لئے برطانیہ نے اپنے امیگریشن ایکٹ میں ترمیم کر دی کہ ملزم کو حسب مصلحت نظر بند کر دیکھا جا سکتا ہے، اس ترمیم نے برطانیہ کی انصاف پسندی کے چہرے سے نقاب الٹ دی (ادارہ)

مَیں کسی محاذ پر بھی اسرائیل پر رحم نہیں کھاؤں گی

جب تک میرا وطن آزاد نہیں ہوتا، مَیں زندگی کی بجائے موت ہی پسند کرتی رہوں گی، مَیں زندہ رہنا بھی نہیں چاہتی، بے وطن زندہ رہنے سے فائدہ کیا ہے۔"

لیلیٰ خالد جو انگوٹھی پہنے تھی۔ اس میں نگینہ کی بجائے بندوق کی گولی جڑی ہوئی تھی۔ اخباری نامہ نگار نے پوچھا "آپ ایسی انگوٹھی کیوں پہنتی ہیں"۔ لیلیٰ نے جواب دیا "یہ انگوٹھی فلسطینی حریت پسند خواتین کی وردی کا ایک حصہ ہے اگر کوئی حریت پسند خاتون یہ گولی اپنی انگوٹھی میں نہ لگانا چاہے، تو وہ گلے کے ہار میں موتی یا ہیرے کی جگہ یہ گولی ڈال لیتی ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر جنگ کے دوران گولیاں ختم ہو جائیں تو اس آخری گولی سے اپنا خاتمہ کر لیا جائے تاکہ اسرائیلی فوجی کسی زندہ مجاہدہ کو گرفتار نہ کر سکیں"

اخبار نویس نے پوچھا "مس لیلیٰ خالد، کیا آپکی زندگی میں کبھی ایسا بھی لمحہ آیا جب آپ نے بے پناہ خوشی محسوس کی ہو؟"

"ہاں یہ لمحہ آچکا ہے" لیلیٰ خالد نے جواب دیا "یہ لمحہ اس وقت آیا تھا، جب مَیں نے ٹی ڈبلیو اے کا ایک مسافر بردار طیارہ اغوا کیا تھا اور اسے دمشق کے ہوائی اڈے پر اترنے کیلئے مجبور کر دیا تھا۔"

لیلیٰ خالد کا
کوڈ نام
شیدا ابو غزالی
ہے۔



"کیا آپ اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھتی ہیں" نامہ نگار نے پوچھا۔

"بالکل نہیں،" لیلیٰ خالد نے پر اعتماد آواز میں جواب دیا "میری زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ میرے وطن کی آزادی ہوگا۔"

"کیا آپ اس کی تفصیل بتا سکتی ہیں کہ آپ نے اس جہاز کو اغوا کر کے اسے دمشق کے ہوائی اڈے پر کیسے اتارا؟" نامہ نگار نے پوچھا۔

"مَیں آپ کو یہ داستان ضرور سناؤں گی"۔ لیلیٰ خالد اتنا کہہ کر مسکرائی۔ اس نے ایک گلاس پانی پیا، چند لمحات تک اپنی انگوٹھی میں لگی ہوئی بندوق کی گولی کو دیکھا اور پھر کہا "میری یہ کہانی روم سے شروع ہوتی ہے۔ جب مَیں روم پہنچی تو موسم بڑا خوشگوار تھا۔ روم کی چہل پہل دیکھ کر بار بار میرے ذہن میں یہ تمنا انگڑائی لے رہی تھی کہ کاش مَیں حیفہ دیکھ سکوں، مَیں حیفہ میں پیدا ہوئی تھی اور حیفہ مجھ سے چھین لیا گیا تھا۔ چنانچہ مَیں نے سوچا کہ میری یہ تمنا اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے کہ مَیں ایک طیارہ اغوا کر لوں اور اسے حیفہ کی بلندیوں سے اڑاتی ہوئی دمشق لے جاؤں۔ ویسے بھی مَیں روم جہاز اغوا کرنے کے لئے گئی تھی۔"

"کیا آپ کو یہ جہاز بالکل تنہا اغوا کرنا تھا" نامہ نگار نے پوچھا۔

"نہیں، میرا ایک مرد ساتھی روم پہنچ چکا تھا۔ لیکن مَیں نے ابھی اسے دیکھا نہیں تھا۔ پروگرام کے مطابق مجھے اس سے روم کے ہوائی اڈے پر ملنا تھا" لیلیٰ خالد نے جواب دیا۔

نامہ نگار کے مختلف سوالوں کے جواب میں لیلیٰ خالد نے کہا۔ "مَیں نے روم پہنچنے کے دوسرے ہی دن یونان کی راجدھانی ایتھنز کے لئے ٹی۔ ڈبلیو۔ اے کے امریکی جہاز کا ٹکٹ لے لیا۔ دوسرے دن صبح مجھے جہاز پر سوار ہونا تھا، مجھے ذہنی طور پر اتنی الجھن تھی کہ مَیں اس رات کھانا نہ کھا سکی اور نہ پوری

میں نے اسرائیلی فضا میں پکنک منائی

طرح سو سکی، ساری رات میں کروٹیں بدلتی رہی، صبح میں نے بڑی شدت سے بھوک محسوس کی لیکن اس کے باوجود مجھ سے ناشتہ بھی نہیں کیا گیا، میں اپنی بھوک برداشت کر گئی کیونکہ میں بھوکی رہنے کی عادی تھی، اپنی گوریلا ٹریننگ کے دوران بھی مجھے اکثر بھوکا رہنا پڑا تھا اور اپنے بچپن میں بھی۔"

لیلیٰ خالد نے مزید کہا "صبح آٹھ بجے میں اپنے نئے کپڑے خریدنے بازار گئی، میں نے ایک اسکرٹ لی اور ایک ٹوپی، میں نے اس خریداری پر کافی روپیہ خرچ کیا۔ کیوں کہ مجھے یہ ہدایت ملی تھی کہ میں قیمتی لباس پہن کر جہاز میں داخل ہوں تاکہ مجھے فرسٹ کلاس کا مالدار مسافر سمجھا جائے، میں روم کے ہوائی اڈے پر پہنچی تو مجھے یہ اطلاع ملی کہ جہاز کی روانگی میں آدھ گھنٹے کی تاخیر ہو گئی ہے۔ یہاں مجھے میرا دوسرا ساتھی بھی مل گیا، میں نے اس کو خصوصی شناخت سے پہچان لیا لیکن اس کے باوجود ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی رہے، میں نے اپنے ساتھی کو عمر میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا، مجھے گوریلا ہیڈ کوارٹر میں صرف اس کی تصویر دکھائی گئی تھی۔ میرے بیگ میں دستی بم بھی رکھا ہوا تھا اور پستول بھی۔ میں فضائی کمپنی کی بس میں ہوائی اڈے آئی تھی اور راستہ میں دو باتوں نے عارضی طور پر مجھے بہت پریشان کر دیا تھا۔"

"کیا تم ڈر گئی تھیں، نامہ نگار نے پوچھا۔

"نہیں، ہم گوریلا عرب اپنا ڈر ختم کر چکے ہیں۔" لیلیٰ خالد نے تلخی سے کہا "میں نے بس میں ایک امریکی عورت کو اس کے چار بچوں کے ساتھ دیکھا تھا، ان بچوں کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ اس ہوائی سفر کے دوران یہ بچے مر بھی سکتے ہیں، میرے ذہن کو اس تصور نے ایک دھچکا سا لگایا، مجھے چونکہ بچوں سے محبت ہے اس لئے ایک لمحہ کے لئے میں نے سوچا کہ میں اس عورت کو سفر کرنے سے منع کر دوں لیکن دوسرے ہی لمحہ مجھے فلسطین کے معصوم بچوں کا خیال آگیا۔"

"دوسری بات یہ ہوئی، لیلیٰ خالد نے کہا کہ "بس میں میرے برابر والی سیٹ پر ایک آدمی بیٹھا تھا اس آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں، میں نے کہا کہ بولیویا کی رہنے والی ہوں اور یونان جا رہی ہوں، اس آدمی نے کہا کہ وہ امریکہ میں پندرہ برس رہنے کے بعد یونان جا رہا ہے۔ جہاں اس کی بیوہ ماں بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی ہے، اس آدمی نے اپنی ماں کا تذکرہ کچھ اس انداز سے کیا تھا کہ مجھے صدمہ سا ہونے لگا، مجھے اس آدمی کی ماں یاد آنے لگی کیونکہ مجھے اچانک اپنی بوڑھی ماں بھی یاد آگئی جو لبنان میں روزانہ میرا انتظار کرتی رہتی ہے۔"

لیلیٰ خالد نے مزید کہا "الغرض میں بھی اور میرا ساتھی بھی جہاز پر اطمینان سے بیٹھ گئے، میں نے لنچ کا آرڈر نہیں دیا کیونکہ میں تمام تر توجہ اپنی مہم پر مرکوز کرنا چاہتی تھی لیکن منع کرنے کے باوجود ائیر ہوسٹس نے ہم دونوں کے سامنے پھلوں کی ایک ٹرے رکھ دی اور یہ ٹرے ہمارے اور انجن روم کے درمیان حائل ہو گئی، جہاز نے ۹۰ منٹ میں ایتھنس پہنچنا تھا اور اب تیس منٹ ہو چکے تھے، ہمارے سامنے اب صرف ساٹھ منٹ تھے اور ہمیں سب کچھ صرف ساٹھ منٹ ہی میں کرنا تھا۔ ہم اپنی جلد بازی سے کوئی ایسی حرکت بھی نہیں کرنا چاہتے تھے کہ ہم پر شبہ کیا جا سکے، ہم بڑے ضبط کے ساتھ ٹرے کے اٹھنے کا انتظار کرتے رہے، جب ایئر ہوسٹس نے یہ دیکھا کہ میں پھل نہیں کھا رہی ہوں تو وہ ٹرے اٹھا کر لے گئی، میں شدتِ جذبات کی انتہائی بلندی پر تھی لیکن اس کے باوجود میں ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتی تھی کہ مسافر ڈر جائیں۔"

ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد میں نے ایئر ہوسٹس سے ایک کمبل مانگا، میں نے خود کو کمبل میں لپیٹ لیا، میرا ساتھی مجھے اس طرح کمبل لپیٹتے دیکھ کر یہ سمجھنے لگا کہ شاید میری ہمت جواب دے گئی ہے اور میں خوفزدہ ہو گئی ہیں، لیکن اس کا یہ خدشہ دور کرنے کے لئے میں نے اپنے بالوں میں کنگھی کی اور اس کو پانچ انگلیاں دکھا دیں، وہ میرا اشارہ سمجھ گیا، بس پانچ منٹ بعد ہی مجھے جہاز کے انجن پر قبضہ کرنا تھا۔ خود کو کمبل میں لپیٹنے کے بعد میں نے اپنے تھیلے سے اپنا پستول نکال کر اپنی پتلون میں اڑسا اور اسکے بعد دستی بم نکال کر اس کی سیفٹی پن نکال دی، میں اس مہم کی انچارج تھی، پہل مجھے ہی کرنا تھی اور اب میں حملہ کے لئے پوری طرح تیار تھی۔ میرے ساتھی نے بھی سب کی نگاہ بچا کر پستول اور دستی بم نکال لیا تھا۔"

لیلیٰ خالد نے کہا "میرا سگنل پاتے ہی میرا ساتھی پائیلٹ کیبن کی طرف جھپٹا، ایئر ہوسٹس اس کو اس طرح لپکتے دیکھ کر چیخی اور اس کے ہاتھ سے ٹرے گر پڑی۔ میں کیبن میں گھس گئی، اور میرا ساتھی دروازے پر کھڑا ہو گیا، اب میرے ساتھی نے چیخ کر کہا "کوئی فرد اپنی جگہ سے نہ ہلے جہاز کا نیا کپتان اب مزید ہدایات دے گا۔" جہاز کے پائیلٹ نے اسی وقت ریڈیو وائرلیس سے یہ پیغام بھیج دیا "دو مسلح افراد میرے کیبن میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہم فضائی قزاقی کا شکار ہو گئے ہیں۔" دوسرے ہی لمحہ میں نے اپنے پتلون میں سے پستول نکالنا چاہا لیکن یہ پستول اندر سرک گیا۔ میں بے ساختہ ہنس دی۔ میں چونکہ بہت بھوکی تھی اس لئے میرا پیٹ پچک گیا تھا اور میری پتلون ڈھیلی ہو گئی تھی۔ میں نے جھک کر پستول باہر نکالا، اور جہاز کے کپتان کے بالکل قریب پہنچ گئی جو اب حیران نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ غالباً سب سے زیادہ حیرت اسے میرا لباس دیکھ کر ہو رہی تھی، میں ایک فیشن زدہ مغربی لڑکی بنی ہوئی تھی اور میرے ہاتھ میں دستی بم تھا۔ میں نے اس سے مسکرا کر کہا "اب میں جہاز کی نئی کپتان ہوں۔"

لیلیٰ خالد نے ایک گرم سانس لینے کے بعد نامہ نگار سے مزید کہا "اور یہ دستی بم بھی دیکھ لو، اگر تم نے میرے احکامات کی تعمیل نہ کی تو میں اس جہاز کو بم سے اڑا دوں گی، اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم خاموشی کے ساتھ 'لیڈا' کے ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہو جاؤ۔"

"کیا ہم اب ایتھنس نہیں جائیں گے۔" کپتان نے گھبرا کر پوچھا، میں نے جواب میں کہا "تم انگریزی زبان سے واقف ہو اور میں تم سے اسی زبان میں گفتگو کر رہی ہوں۔" اتنا کہہ کر

مَیں کپتان کے پیچھے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ مَیں نے فلائٹ انجینئر سے پوچھا" جہاز میں کتنی دیر کے پرواز کا پٹرول ہے۔" مَیں جانتی تھی کہ وہ جھوٹ بولے گا اس نے کہا" صرف دو گھنٹے کے لئے۔" مَیں چیخ پڑی "جھوٹا، جہاز میں ساڑھے تین گھنٹے کی پرواز کا پٹرول موجود ہے، مجھے ناواقف نہ سمجھنا مَیں جہاز کے ہر پرزے کے استعمال سے واقف ہوں، تم نے اگر اب مجھ سے کوئی بات غلط کہی تو مَیں تمہاری گردن توڑ دوں گی۔"

لیلیٰ خالد نے کہا" اب اس وقت تین بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے، مَیں نے مائیک پر مسافروں کو مخاطب کیا اور کہا" مَیں آپ کی نئی کپتان آپ سے مخاطب ہوں، میرا تعلق محاذِ آزادیٔ فلسطین سے ہے مَیں نے اس جہاز پر قبضہ کر لیا ہے، مَیں چاہتی ہوں کہ آپ اپنی جگہ سکون سے بیٹھے رہیں، اپنے ہاتھ سر کے پیچھے رکھ لیں، آپ میرے معزز مہمان ہیں، آپ خواہ کسی بھی مذہب کے ہوں یا آپ کی قومیت کچھ بھی ہو، ہم آپ کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کریں گے اور جہاز کو اتار لینے کے بعد آپ کو رہا کر دیں گے۔ اب ہماری منزل ایک دوست ملک ہے جہاں کے دوست عوام آپ سب کا انتظار کر رہے ہیں۔" مسافروں کو مخاطب کرنے کے بعد مَیں نے ساری دنیا کو ریڈیو وائرلیس پر مخاطب کیا مَیں نے کہا" محاذ آزادیٔ فلسطین آپ کو یہ پُرمسرت اطلاع دے رہا ہے کہ اس کے دو فدائیوں نے ٹی۔ ڈبلیو۔ اے کے ایک بوئنگ طیارے پر قبضہ کر لیا ہے اور اس وقت ہم لیڈا کے ہوائی اڈے کی طرف جا رہے ہیں جو نام نہاد اسرائیل میں ہے۔ کپتان شہید ابوغزالی نے اس جہاز کی کمان سنبھال لی ہے، اس وقت کے بعد سے ہمیں آزاد عرب فلسطین کہہ کر مخاطب کیا جائے ورنہ ہم کسی زمینی پیغام کا جواب نہیں دیں گے۔"

"آپ نے اپنا اصلی نام کیوں نہیں بتایا تھا؟" نامہ نگار نے پوچھا۔

لیلیٰ خالد نے کہا" میرا کوڈ نام شہید ابوغزالی بھی ہے لیکن اس نام کی ایک مجاہدہ لڑکی بھی تھی، یہ لڑکی اکتوبر ۱۹۶۸ء میں اسرائیلیوں سے جنگ کے دوران شہید ہو گئی تھی۔ اس کی عمر صرف ۲۱ سال تھی۔" لیلیٰ خالد کے چہرے پر اس جواب کے ساتھ ہی غم کا غبار پھیل گیا۔ بالکل اچانک وہ بہت افسردہ نظر آنے لگی۔

اپنی داستان سناتے ہوئے لیلیٰ خالد نے مزید کہا" مَیں نے کپتان کو ایک نیا نقشہ دے دیا تھا۔ اب ہم براہِ راست اسرائیل کی طرف جا رہے تھے اور اس وقت ۳۳ ہزار فٹ کی بلندی پر تھے مجھے مسافروں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا اس لئے مَیں نے، ان سے کہہ دیا کہ وہ اپنے ہاتھ نیچے گرالیں مَیں نے اس تکلیف کی ان سے معافی مانگی اور ایئر ہوسٹس سے کہا کہ وہ مسافروں کی خاطر تواضع کرے۔ مَیں نے جہاز کے عملے سے بھی پوچھا کہ وہ کیا کھانا یا پینا چاہتے ہیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا، وہ ہم سے کوئی بات بھی نہیں کرنا چاہتے تھے، اچانک مَیں نے محسوس کیا کہ پائیلٹ جہاز کا راستہ بدل رہا ہے، وہ جہاز کو لیبیا کے امریکی ہوائی اڈے کی طرف لئے جا رہا تھا، مَیں نے اس کی آنکھوں کے آگے دستی بم والا ہاتھ لہرایا، اور کہا" میرے ہاتھ میں بم موجود ہے اس لئے چالاکی سے کام نہ لو، جہاز کا رُخ بدلو، اور اسرائیل کی طرف پرواز کرتے ہو۔"

لیلیٰ خالد نے نامہ نگار کے ایک سوال کے جواب میں کہا۔ "پائلٹ میری طرف بڑی نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور مجھے بار بار اس کی بے بسی پر ہنسی آ جاتی تھی۔ وہ میرے دستی بم کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا اور میرے ساتھی کے پستول کی طرف بھی، مَیں نے اس سے کہا" مسٹر پائیلٹ، تم میرے اس دستی بم کو کھلونا نہ سمجھ لینا، مَیں اس کے استعمال سے واقف ہوں، اور یہ بھی جانتی ہوں کہ اس کو پھینکا کس طرح جاتا ہے۔" اب ہوائی جہاز میں ایک عجیب سا ڈراؤنا سکوت طاری تھا، جہاز کے اندرونی ماحول میں اب تک صرف میری ہی آواز گونجتی رہی تھی، مَیں اب تک اٹلی، یونان، مصر اور لبنان سے گزر چکی تھی، مَیں ریڈیو وائرلیس پر مسلسل تقریر کر رہی تھی۔" مَیں کپتان شہید ابوغزالی بول رہی ہوں، آزادیٔ فلسطین محاذ زندہ باد، امریکی اور صیہونی سامراج مردہ باد، فتح ہماری ہو گی، فتح ہمارا مقدر بن چکی ہے۔" میرا جہاز فضا کی بلندیوں میں اڑ رہا تھا اور نیچے ساری دنیا دم بخود سانس روکے میرے اگلے اقدام کا انتظار کر رہی تھی، مَیں کہہ رہی تھی، مَیں نے اس جہاز کا اغوا ان جڑوں کو کاٹنے کے لئے کیا ہے جو اسرائیل کو مدد پہنچا رہی ہیں، مَیں اپیل کرتی ہوں کہ آج کے بعد کوئی آدمی اسرائیل جانے کی کوشش نہ کرے، اسرائیل آنے کے لئے ہم سے اجازت لی جائے، ہم فلسطین والے اسرائیل کے اصل مالک ہیں، ہم اپنا وطن چاہتے ہیں۔"

فلسطینی حریت پسند یہودیوں کے دشمن نہیں، صیہونی سامراج کے دشمن ہیں

لیلیٰ خالد نے بڑی مسکراتی آواز میں کہا" قاہرہ کے ہوائی اڈے نے ہم سے پوچھا" آپ کہاں جا رہی ہیں" مَیں نے جواب دیا" مَیں اسرائیل جا رہی ہوں"، مَیں واقعی اسرائیل جا رہی تھی، مَیں دراصل اسرائیلی حاکموں کو یہ دکھانا چاہتی تھی کہ اگر ہم فلسطین والے چاہیں تو ان کی فضاؤں میں اڑ سکتے ہیں ہم ان کی سامراجی پابندیوں کی دھجیاں اڑا سکتے ہیں، جہاز اسرائیل کی فضاؤں میں داخل ہوا تو مَیں نے پائیلٹ سے کہا" جہاز کو بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر لے آؤ اور لیڈا کے ہوائی مستقر کے دو چکر لگاؤ، مَیں یہاں کی فضا میں پکنک منانا چاہتی ہوں۔ لیڈا کے ہوائی اڈے کے اسرائیلی حکام مجھ سے بہت غصہ میں باتیں کر رہے تھے، مَیں نے ان سے کہا" یہ محاذ آزادیٔ فلسطین کی آواز ہے۔ ہم نیچے آ رہے ہیں، ہوائی اڈہ خالی کر دو"، مَیں نے یہ جملہ عربی میں کہا تھا اور محض ان کو ڈرانے کے لئے کہا تھا۔ فوراً مجھے جواب ملا" نہیں تم نیچے نہ اترو۔ ورنہ ہمارے ہوائی جہاز تمہارا راستہ روک لیں گے۔" مَیں نے کہا" تم اسرائیلی مجھے میرے وطن کی سرزمین پر اترنے سے نہیں روک سکتے۔ یہ میرا فلسطین ہے، مجھے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں ہے، مجھے خوشی ہو گی اگر میں اپنی زمین پر مر جاؤں لیکن اگر میرے ساتھ اس جہاز کے مسافر مر گئے تو ان کی موت کی ذمہ داری تم پر ہو گی۔"

لیلیٰ خالد اپنی یہ دلچسپ داستان سناتی رہی۔ اس نے

مزید کہا " دو اسرائیلی جہاز میرا راستہ روکنے کے لئے میرے جہاز کے قریب آگئے لیکن میرے جہاز کے امریکی پائیلٹ نے ریڈیو وائرلیس پر ان سے کہا " قریب مت آنا ورنہ بم پھٹ جائیگا جہاز کے سب مسافر مر جائیں گے " اس تنبیہہ کے بعد اسرائیلی جہاز دور چلے گئے، میرے حکم پہ جہاز نے تل ابیب کے تین چکر لگائے۔ یقیناً تل ابیب کے ہزاروں یہودیوں نے بڑی بے بسی سے اس جہاز کو نیچی پرواز کرتے دیکھا ہوگا، جہاز تل ابیب سے آگے روانہ ہوا تو میں نے کہا "تل ابیب والو، ہم پھر آئیں گے، ہمارا انتظار کرنا۔" میری آواز ریڈیو وائرلیس کے ذریعے غالباً پورے پورے تل ابیب میں گونج گئی، اب ہمارے سامنے حیفہ پھیلا ہوا تھا وہ شہر جہاں میں پیدا ہوئی تھی جہاں میری ماں کو زبردستی



گھر سے بے گھر کیا گیا تھا جہاں کے چپے چپے پر عرب خون کے نشانات موجود تھے۔"

لیلیٰ خالد کی آواز بھر آگئی، اس کے جذبات اس کی آواز پر غالب آگئے۔ اس نے کہا " مجھے آج بھی ایک عرب کا خون میں ڈوبا ہوا جسم یاد ہے جو میرے مکان میں پناہ لینے آیا تھا اور میری ماں نے اُسے زینے کے نیچے لٹا دیا تھا، میری ماں ان دنوں حیفہ کے اس مکان میں بالکل تنہا رہتی تھی، میرا باپ محاذِ جنگ پر یہودیوں سے لڑنے گیا ہوا تھا، اس کی عدم موجودگی میں میری ماں کو زبردستی مکان سے نکال دیا گیا تھا، جب میری ماں آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ مکان سے روانہ ہوئی تھی تب بھی حیفہ کی سڑکوں پر یہودیوں اور عربوں میں جنگ ہو رہی تھی، یہ ۱۹۴۸ء کے ابتدائی دن تھے۔ عربوں نے اسرائیل کے قیام کو بالکل نہیں مانا، میری ماں اپنے آٹھ بچوں کو لے کر جس کسمپرسی کے عالم میں حیفہ کے اس مکان سے روانہ ہوئی تھی وہ مجھے آج بھی یاد ہے اور آج یہی حیفہ میری نگاہوں کے سامنے بکھرا ہوا تھا۔ مجھے بیتے ہوئے دن یاد آ رہے تھے اور جہاز لبنان میں داخل ہو رہا تھا، جب میرا جہاز 'طائر' کی بستی سے گزرا تو ایک مرتبہ پھر مجھے اپنی بوڑھی ماں کی یاد آنے لگی، میں نے سوچا اسی طائر کے ایک مکان میں میری بیوہ ماں میرا انتظار کر رہی ہوگی، اسے اس کا علم ہی نہ ہوگا کہ اس کی بیٹی اس وقت اس شہر کی فضاؤں میں موجود ہے اور ایک فاتح کی حیثیت سے موجود ہے۔ طائر کے بعد مجھے فلسطینی مہاجروں کے کیمپ نظر آئے، یہ کیمپ حدِ نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔"

اچانک لیلیٰ خالد نے کہا "میں نے غلط کہہ دیا ہے، ہم فلسطینی خود کو مہاجر نہیں کہتے ہیں، ہم نے ہجرت نہیں کی ہے جو ہم کو مہاجر کہا جائے، ہم کو ہمارے مکانوں سے زبردستی نکالا گیا ہے۔ اس لئے ہمیں بے گھر کہنا چاہیئے۔" میں لفظ مہاجر کو اپنے لئے ایک گالی سمجھتی ہوں، مجھے یاد ہے جب میں آٹھ سال کی تھی تو لبنان میں میرے ایک پڑوسی بچے نے مجھ سے جھگڑے کے دوران کہا تھا" تم مہاجر ہو، تم مجھ سے چیخ کر بات نہیں کر سکتی۔" مجھے یاد ہے اس بچے کے اس جملے نے میرے ذہن پہ ایک ہتھوڑا سا مار دیا تھا۔"

لیلیٰ خالد نے مزید کہا" ٹھیک پانچ بج کر ۲۸ منٹ پر ہم دمشق پہنچ گئے۔ میں نے اس امریکن جہاز کو ہوائی اڈے پر اتار لیا اور مسافروں سے کہا کہ وہ دس منٹ کے اندر جہاز کو خالی کر دیں۔" دو منٹ کے اندر جہاز خالی ہو گیا۔ میں نے اپنا اطمینان کرنے کے لئے جہاز کی تلاشی لی۔ اور پھر میں نے اس دیو پیکر طیارے کو بموں سے اڑا دیا۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، یہ میری پہلی مہم تھی، یہ میری پہلی کامیابی تھی، میں نے طیارے کے خوفزدہ مسافروں کو جمع کر کے کہا" ہو سکتا ہے آپ کی نگاہوں میں ہم مجرم ہوں لیکن ہم مجرم نہیں ہیں۔ ہم جنگِ آزادی کے مجاہد ہیں۔ ہم نے امریکی جہاز کو اس لئے تباہ کیا ہے کہ امریکہ ہمیں ختم کرنے کے لئے اسرائیل کی مدد کر رہا ہے آپ اپنے وطن جا کر اپنے ہم وطنوں تک ہمارے یہ احساسات پہنچا دیجئے گا کہ ہم لوگ یہودیوں کے دشمن نہیں ہم صرف صیہونی سامراج کے دشمن ہیں۔"

لیلیٰ خالد نے اب بڑی جذباتی آواز میں کہا" اور اس طرح اس جہاز کے اغوا کی کہانی ختم ہو گئی اور وہ کہانی شروع ہو گئی جس میں مجھے اپنی ناکامی کا افسوس نہیں ہے مجھے اس کا صدمہ ضرور ہے کہ میں اپنے ساتھی کی طرح مر کیوں نہ گئی، میں زندہ کیوں رہ گئی۔"

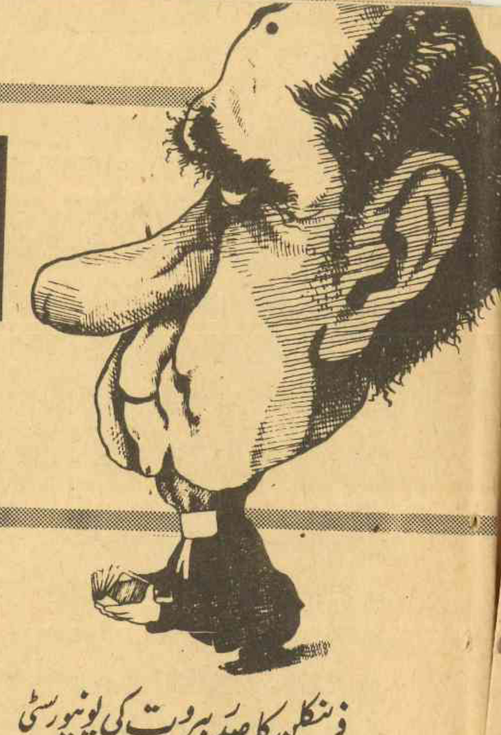
لیلیٰ خالد نے ایک دوسرے اخبار کے نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا" میں رہائی کے بعد بھی جہازوں کا اغوا جاری رکھوں گی، میں اسرائیل کا فضائی سفر ناممکن بنا دوں گی مجھے اس کی فکر نہیں کہ میں زندہ رہتی ہوں یا نہیں، میں صرف ایک مقصد حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

اپنی فضائی دلیری کی یہ داستان ختم کرتے ہی لیلیٰ خالد کے چہرے پر سورج کی سی عظمت چھا گئی، وہ مینارۂ حریت نظر آنے لگی، پلک جھپکتے میں وہ شاہینِ آزادی بن چکی تھی۔

عربوں کے ثقافتی محاذ پر امریکی سامراج کا نیا حملہ

امریکی نشر و اشاعت کا ادارہ فرینکلن کی پُراسرار سرگرمیاں

فضل الٰہی



فرینکلن کا صدر بیروت کی یونیورسٹی کے شعبے کا ڈین ہے !!

امریکہ نے عربوں کو سرنگوں کرنے کے لئے صرف اسرائیل کو جدید ہتھیاروں سے مسلح ہی نہیں کیا بلکہ عربوں کے ثقافتی محاذ پر بھی بھرپور حملہ کر دیا۔ امریکہ کے نزدیک اس ثقافتی حملے کا صرف ایک مقصد ہے۔ عرب عوام کو امریکی نظریات کے پہیے سے باندھ دیا جائے۔

امریکہ نے اس بات کو اب اچھی طرح سے محسوس کر لیا ہے کہ افرو ایشیائی اور دنیا کے تمام ممالک میں اس کیخلاف نفرت تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ فوجی حکمت عملی کی راہ نے اس کو کچھ دینے کی بجائے الٹا نقصان پہنچایا۔

امریکی ماہرین نے اس صورت حال سے نمٹنے کیلئے تیسری دنیا کے ممالک میں "ثقافتی حملے" کا نیا ہتھیار استعمال کیا ہے۔ افریقہ، ایشیا، مشرق وسطیٰ، لاطینی امریکہ، غرضیکہ جہاں جہاں مظلوم عوام سامراج کی جکڑبندیوں سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں، امریکہ نے مخصوص اور خطرناک نظریات پر مبنی کتابوں کی ترویج اشاعت کا طوفانی سلسلہ جاری کر دیا۔ بظاہر یہ کتابیں ادبی علمی اور تاریخی واقعات و نظریات کی حامل معلوم ہوتی ہیں لیکن دراصل ان کتابوں میں الفاظ کی نشست و برخاست اور جملوں کے پیچ و خم میں امریکی فلسفۂ حیات اور سیاسی لائنوں کا زہر ہلاہل پوشیدہ ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں سامراج کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے والے عوام کے خلاف امریکہ کا یہ مخفی اور خطرناک ترین ہتھیار ہے۔

اس قسم کے نظریاتی پروپیگنڈہ میں مسلح جدوجہد کی مخالفت نہیں کی جاتی بلکہ انقلابی مسائل اور ان کے حل کے بارے میں تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔ یہ تجاویز بظاہر معقول دلائل پر مبنی ہوتی ہیں اور پڑھنے والے کے دل و دماغ میں بتدریج سرائیت کرتی جاتی ہیں لیکن ان تجاویز کو گہری نظر اور ٹھنڈے دل سے مطالعہ کیا جائے تو دوزخ کے سارے دروازے کھل جائیں گے اور یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ کہ امریکہ ان کتابوں کے ذریعہ اپنی سیاسی حکمت عملی کا پروپیگنڈہ کر کے مسلح جدوجہد پر یقین رکھنے والوں کے ذہن پراگندہ کر رہا ہے۔

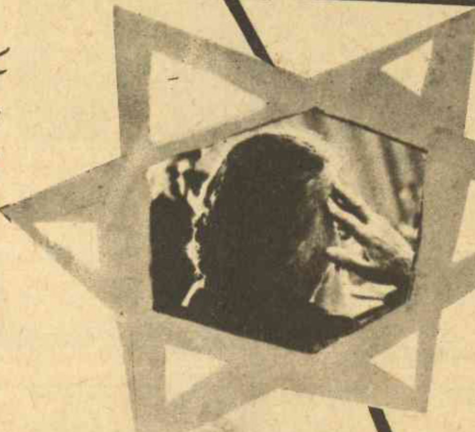
عرب ممالک میں صیہونی نظریات کا پروپیگنڈہ تیز کر دیا گیا!

اس خطرناک کام کی کھلی ذمہ داری امریکی ادارہ فرینکلن کے سپرد کر دی گئی ہے، جو بڑے منظم طریقہ سے اس قسم کے زہر آلود لٹریچر افرو ایشیائی اور مشرق وسطیٰ کے ان علاقوں میں پھیلا رہا ہے۔ جہاں عوام سیاسی حل کی بجائے مسلح تصادم کی راہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

سی آئی اے کے تحت چلنے والا یہ ادارہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے عرب ممالک کے ترقیاتی منصوبوں سے باقاعدہ تعاون کرتا ہے۔ درپردہ ایسی کتابیں بڑی تعداد میں شائع کی جاتی ہیں جن میں امریکی نقطۂ نظر کے مطابق مسائل کامیابیوں اور ناکامیوں کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے

فرینکلن نے صرف افریقہ کے جغرافیائی اور تاریخی پس منظر میں کم و بیش ۲۰ کتابیں شائع کیں۔ ان تمام کتابوں میں افریقہ اور یورپ کے قریبی تعلقات کا ذکر بڑے مؤثر انداز میں کیا گیا ہے۔ اقتصادی ترقیات پر فرینکلن نے تقریباً ۱۵ کتابیں شائع کیں۔ جن میں سرمایہ دارانہ نظام اور اس کی خوبیوں پر روشنی ڈالی گئی۔ یہ تمام کتابیں مختلف یونیورسٹیوں کے پروفیسروں نے لکھی ہیں "ثقافتی حملے" کے پس منظر میں امریکی یونیورسٹیوں میں اپنی پسند کے مطابق "جینئس" بھی تیار کئے جاتے ہیں۔ بالخصوص بیروت میں امریکی یونیورسٹیاں اور دوسرے ممالک کی یونیورسٹیاں سامراجی نقطۂ نظر رکھنے والے جینئس کی تیاری میں باقاعدہ فیکٹری کا کام انجام دیتی ہیں۔ ان یونیورسٹیوں میں خصوصی شعبے قائم کئے گئے ہیں۔ جن میں کام کرنے والوں کا انتخاب اہلیت کی بنیاد پر عام لوگوں میں سے نہیں کیا جاتا

بیروت یونیورسٹی میں مخصوص قسم کے جینئس تیار کئے جاتے ہیں



ہے بلکہ عرب دانشوروں میں سے کیا جاتا ہے۔ یہ قطعی کوئی اتفاقیہ بات نہیں ہے کہ عرب فرینکلن کا صدر بیروت کی امریکی یونیورسٹی میں شعبۂ عربی ادب کا ڈین ہے۔ اور یہ بھی کوئی اتفاقیہ امر نہیں کہ اسی یونیورسٹی کے قوم پرست طلبا نے جب مصر، الجزائر، یمن اور شام کے حق میں مظاہرہ کیا تو نام نہاد غیر جانبداری کا دعویٰ کرنے والی یونیورسٹی نے ان طلبا کو خارج کر دیا۔ بیروت کی امریکی یونیورسٹیاں سازشوں کی گڑھ ہیں۔ یہاں ایسے ذہن تیار کئے جاتے ہیں جو آئندہ چل کر امریکی نظریات اور سیاسی حکمتِ عملی کا پروپیگنڈہ کر سکیں۔

ان امریکی یونیورسٹیوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان کے دروازے عام لوگوں پر بند ہوتے ہیں، ان میں صرف دانشوروں، امریکی نظریات رکھنے والوں اور سائنسدانوں کو منتخب کیا جاتا ہے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ان میں اپنی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح یونیورسٹی کے حکام کو معاشرے کے ذہین طبقہ سے قریبی رابطہ قائم رکھنے کا موقع مل جاتا ہے اور زبان احتجاج کے شعلے کو بھڑکانے میں کوئی کردار ادا نہیں کرتی بلکہ وہ امریکی نظریات اور ردِ انقلاب کی بنیادیں مضبوط اور مستحکم کرتی ہے۔

اس سلسلے میں ان دو کتابوں کا حوالہ دینا غلط نہ ہوگا جو بیروت یونیورسٹی میں لکھی گئیں۔ ایک کتاب تاریخ کے موضوع پر ہے جبکہ دوسری کتاب میں انسانی تہذیب کے ارتقا سے بحث کی گئی ہے۔

ان دونوں کتابوں میں "معروضی پسندی" اور غیر جانبداری کی پُر فریب آڑ میں بورژوائی جمہوریت اور قومی تنگ نظری کا پروپیگنڈہ کیا گیا ہے۔ اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوتے فلسفے کے ایک پروفیسر نے قرونِ وسطیٰ کی تہذیب اور عربوں کو تقسیم کرنے والی تہذیب پر متعدد مقالے لکھے۔

فرینکلن اور اس قسم کے اداروں کی سرپرستی سی آئی اے ہی کرتی ہے۔ علاوہ ازیں ترقی پذیر ممالک میں بے شمار اخبارات اور رسائل سی آئی اے کے فنڈ سے شائع ہوتے ہیں۔ "ڈائی لاگ" گزشتہ پانچ سال سے باقاعدگی سے شائع ہو رہا تھا۔ اس کے مدیر ڈونک سانن کے استعفیٰ سے راز فاش ہوا کہ یہ میگزین سی آئی اے کے فنڈ سے نکالا جا رہا تھا۔ ڈائی لاگ سے قبل "لٹریچر" اور اس کے بعد "ریڈینیس" شائع کیا جاتا رہا۔ ان تمام جریدوں میں اس بات کا پروپیگنڈہ کیا جاتا رہا کہ عرب دانشوروں کو تحریر و تقریر کی آزادی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ عرب نظریات پر مغربی نظریات کو مسلط کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس ادارے نے سائنس اور سیکس پر چند اہم قسم کے میگزین بھی شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ سپر مین ہیرو، سیکرٹ ایجنٹس، دی بیٹ اور جیمس بانڈ جیسے میگزین کی بھرمار کر دی گئی۔ اس کے علاوہ فلموں کے ذریعہ بھی بھرپور حملہ کیا گیا۔ جن میں مافوق الفطرت صلاحیتوں کے حامل شخص کے کارناموں کا پرچار کیا جاتا رہا۔ ٹارزن اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔!

فرینکلن کی طرح دی ورلڈ آرگنائزیشن آف کلچرل فریڈم بھی ہے۔ اس ادارہ کے متعلق سنسنی خیز انکشاف اس وقت ہوا۔ جب اس میں کام کرنے والے چند دانشوروں نے استعفیٰ دیتے ہوئے لکھا کہ ہمیں یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ ادارہ سی آئی اے کے تحت چلتا ہے۔ اس کی پوری کہانی نیویارک ٹائمز میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ ادارہ عرب اور دوسرے ممالک کو فریب دینے کے لئے اظہارِ خیال کی آزادی کے نعرہ کی آڑ میں سوشلزم پر بھرپور حملہ کرتا ہے۔ اس ادارہ کے تحت دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف زبانوں میں میگزین اور کتابیں شائع کی جاتی ہیں، یہ ادارہ بین الاقوامی سیاسی اور اقتصادی دائرہ میں دائیں بازو کے نظریات کی تبلیغ کا ایک پلیٹ فارم ہے۔ اس ادارہ کے تحت وقتاً فوقتاً بین الاقوامی کانفرنسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جن میں تازہ موضوعات۔ قومی اور علاقائی امور پر اظہارِ خیال کے بہانے ترقی پسند نظریات پر حملے کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں روم میں عربی ادب کے مسائل پر کانفرنس بھی منعقد کی گئی تھی۔

ورلڈ آرگنائزیشن آف کلچرل فریڈم، فرینکلن اور امریکی یونیورسٹیوں کے ذریعہ دشمن ثقافتی محاذ پر بھرپور حملہ کر رہا ہے۔ عرب عوام اور دنیا بھر کی مظلوم قومیں جو میدانِ جنگ میں سامراج سے مقابلہ کر رہی ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ ثقافتی محاذ پر بھی سامراج کے اس گھناؤنے حملے کا بھرپور جواب دیں۔

مشہور رسالہ ڈائی لاگ کی اشاعت کے پیچھے سی آئی اے کا ہاتھ ہے

افسانہ

مقتل مقتل خون دیا ہے

البورائٹ

ترجمہ:- انور عاقل



بندوق سنہری زیوروں سے زیادہ خوبصورت تھی

رات کا سفر جاری تھا۔ ہر طرف خاموشی اور سناٹے کا پڑاؤ تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفوں سے کسی کے بوٹوں کی آواز قریب آتی اور پھر دور ہوتے ہوتے ایسے گم ہو جاتی جیسے اندھیرے نے اسے نگل لیا ہو۔

غنودگی میں اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور گھڑی پر نظر ڈالی۔ آدھی رات بیت چکی تھی۔ دوسرا ہاتھ آہستگی سے اسکی آنکھوں پر آگیا اور اسے سپیدۂ سحر ہونے تک سونے کی ترغیب دی۔

"مزید تین گھنٹے"۔ اس نے اپنے آپ سے سرگوشی کی۔ "میں ابھی اور آرام کر سکتا ہوں۔ لیکن اگر میں نہ اٹھ سکا تو؟ یہی تو وہ لمحہ ہے جس کے لئے میں عرصے سے ......"

اس نے اس دن کی کتنی خواہش کی تھی! خالد جوش میں بھرا ہوا تھا۔ ماضی کی یادیں اس کے سامنے بکھرنے لگیں

جمعرات کی دوپہر کو میں اپنی ماں سے کھیتوں میں جانے کی اجازت مانگا کرتا۔ کبھی وہ راضی ہو جاتیں، اور کبھی انکار کر دیتیں۔ لیکن میں مضبوط ہاتھوں کا مالک تھا۔ چنانچہ درانتی اٹھاتا اور فصل کاٹنے میں ابا کا ہاتھ بٹاتا۔ ہمارے گاؤں کی کہاوت ہے کہ جو کوئی ۱۶ کے سن کو پہنچتا ہے وہ جوان ہو جاتا ہے۔ مجھے اپنی ماں پر شک ہوتا جب وہ میری عمر صرف دس سال بتایا کرتی۔

"اگلی جمعرات کو اپنے ابا کے ساتھ کھیتوں میں نہ جانا"، میری ماں نے ایسے لہجے میں سرگوشی کی جسے میں سمجھ نہ سکا۔ ابا جان کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، ان کے سر کے نیچے ایک سخت تکیہ تھا۔ وہ سگریٹ کے مرغولوں کو چھت کی طرف جاتا دیکھ رہے تھے اور کسی اہم مسئلے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ میں نے ماں کی بات کا برا منایا۔

"ماں کہتی ہیں کہ میں چھوٹا ہوں۔ کیوں؟ دس سال ـــــ لیکن عمر دنوں سے تو نہیں گنی جاتی۔ میں کھیتوں میں ضرور جاؤں گا اور ابا کی مدد کروں گا۔"

ابا نے میری طرف دیکھا، ان کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ پھر انہوں نے کہنا شروع کیا، "بیٹے، میری باتوں کو غور سے سنو۔ تم اس زمین پر پلے اور بڑھے ہو۔ تمہارا گوشت، تمہارا خون اور تمہاری ہڈیاں سب کچھ اسی پیاری زمین کی ہیں۔ میں بھی اسی زمین پہ پیدا ہوا۔ میرا گوشت اور خون بھی یہی زمین ہے۔ اس زمین کو ہمارے آباؤ اجداد نے اپنے خون سے سینچا ہے، لیکن آج ـــــ" وہ رک گئے۔

"اچھا، اب تو آپ راضی ہو گئے کہ میں آپ کے ساتھ اگلی جمعرات کو جاؤں گا اور اپنی زمین کو مزید خون و پسینے سے سینچوں گا؟"

"نہیں، بیٹے، اس جمعرات کو نہیں۔"

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں یہودیوں سے ڈرتا ہوں جو ہماری زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں؟ میں آپکے شانہ بشانہ کھڑا ہوں گا جب آپ ان پر اپنی نئی رائفل سے فائرنگ کریں گے جو آپ نے دو مہینے پیشتر خریدی تھی۔ تو میں ان پر پتھروں کی بارش کر دوں گا۔ لیکن ابا جان آپ مجھے یہ تو بتائیں کہ آپ اس بندوق کو دن میں کیوں چھپا دیتے ہیں اور رات کو کیوں نکالتے ہیں؟ یہ کتنی خوبصورت ہے جو ہمیں ملک کا دفاع کرنے میں مدد دیتی ہے!"

انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات کو سگریٹ کے دھوئیں میں چھپانے کی کوشش کی۔ میں ماں کی طرف مڑا ـــــ لیکن ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں

میں جمعراتِ کو کھیتوں میں نہ جا سکوں گا! بندوق رات میں ظاہر ہونے کے لئے دن میں غائب رہتی۔ ابا جان کسی تکلیف دہ بات کو چھپا رہے تھے اور ماں اپنے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

میں نے سوچا کہ اماں اپنے زیوروں کے لئے رو رہی ہیں جن کو بیچ کر ابا نے نئی بندوق خریدی تھی۔ بندوق، زیوروں سے زیادہ خوبصورت تھی، سونے سے بھی۔ زیادہ خوبصورت۔

سونا زمین کو نہیں بنا سکتا، بلکہ وہ خود زمین سے نکلتا ہے جیسے دودھ کی طرح سفید روئی، سنہرے گندم، سنترے، اور اور ـــــ انجیر کا درخت۔ جس کے نیچے میں اور میرے چھ بھائی کھیلا کرتے تھے۔ میں اُن کے ساتھ کھیلتا اور اُن کا خیال رکھتا پھر ـــ یہودی آگئے، انہوں نے لمبی لمبی تلواریں اٹھائی ہوئی تھیں ـــ آہ، میری روشنی اور خوبصورتی کے منبع، میرے درخت، تم کہاں ہو؟

لاشعوری طور پر خالد نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور گھڑی پر دوبارہ نظر ڈالی۔ سوا بارہ بج رہے ہیں۔

"میری گھڑی، اس کی سوئیاں تیزی سے کیوں نہیں چلتیں؟ کیا یہ ٹوٹ گئی ہیں؟ صرف پندرہ منٹ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوئیوں نے حرکت نہیں کی۔ کیا وقت تھم گیا ہے؟ نہیں یہ ضرور آہستہ ہو گی، بے چاری گھڑی، بتیس سال پرانی گھڑی!"

میرے چچا نے اسے جھگڑے کے آغاز سے دو سال پہلے خریدا تھا۔ یہ بہترین اور مہنگی گھڑیوں میں سے ایک تھی۔ وہ اس پر بڑا فخر کرتا تھا۔

دن گزرتے چلے گئے۔ میرے چچا نے جب گاؤں چھوڑا تو ان کا کل سرمایہ صرف یہ گھڑی تھی۔

"چچا جان، مجھے یہ گھڑی دے دیجئے۔"

"کیا، بیٹے! جس طرح تم مجھے عزیز ہو اسی طرح یہ گھڑی بھی۔ یہ تمام بھولی بسری یادوں کو میرے پاس لاتی ہے۔ میرے سرمایۂ زندگی میں یہی ایک مادی شے باقی رہ گئی ہے۔ اس نے جنگ کے زمانے میں، انگریزوں اور یہودیوں کے خلاف ہر مشن میں میرا ساتھ دیا ہے، نہیں بیٹے اکچھ اور مانگو۔"

مجھے اچھی طرح یاد ہے، وہ جمعرات کا دن تھا۔ جب ہم انجیر کے درخت کے نیچے بیٹھے تو چچا نے کانا پھوسی کرتے ہوتے کہا تھا،

"کیا تمہیں یاد ہے تم نے آٹھ سال پہلے مجھ سے یہ گھڑی مانگی تھی؟"

"آپ کا حافظہ لاجواب ہے چچا جان، اگرچہ آپ پچاس سال کے ہو گئے ہیں۔"

"بیٹے، بہت سے واقعات انسان کے ذہن میں چپک کر رہ جاتے ہیں، جنہیں کوئی مشکل، کوئی مصیبت محو نہیں کر سکتی۔ اور یہ گھڑیاں یادوں کی خوشبو میں بسی ہوئی ہے۔ اور تم، میرے بھتیجے، میرے بیٹے کی طرح ہو۔ تمہارے والد مجھ سے بیٹے جیسا سلوک کرتے تھے اور جب وہ میدان جنگ میں ـــــ۔" ان کی آواز بھرا گئی۔ وہ خاموش ہو گئے، اور آگے نہ بول سکے۔ انہوں نے گھڑی کو اتارا اور اپنے گالوں سے آنسوؤں کو صاف کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اُسے میری کلائی پر باندھ دیا۔

شام کو میرے چچا ہم پانچوں بھائیوں کے ساتھ کھیلتے اور مذاق کرتے رہے۔ میرے سب سے چھوٹے بھائی کی عمر آٹھ سال کی تھی اور سب سے بڑے یعنی میری عمر اٹھارہ سال تھی۔ ہم رات گئے تک ایک ساتھ رہے۔ آدھی رات کے وقت انہوں نے مجھ سے سرگوشی کی؛

"آج سے تم خاندان کے سربراہ ہو۔ یاد رکھو کہ تمہارے والد نے وطن کو اپنے خون کی قربانی دی۔ یاد رکھو اپنے دو بھائیوں کو جنہیں ہمارے دشمن، یہودیوں، نے قتل کر دیا۔ یاد رکھو کہ تم ایک پناہ گزین ہو، اور تمہارے ملک پر دشمنوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ میں، میرے بیٹے، ایک مشن پر جا رہا ہوں جس میں ہو سکتا ہے کہ ایک ہفتہ لگ جائے۔ چنانچہ اپنے بھائیوں کا خیال رکھنا اور انہیں اپنے وطن سے محبت کرنے کی تعلیم دینا۔"

پھر چاند ڈوب گیا، اندھیرا اڈسنے لگا۔ درختوں کے پتے نیچے گرنے لگے اور تیز ہوا چلتے چلتے رک گئی۔ تین دن کے بعد گاؤں سے لوگ ہمیں یہ بتانے آئے ـــ کہ ایک اور ہیرو وطن پر قربان ہو گیا۔

خالد نے گھڑی کو چھوا اور پھر اُسے گرم جوشی سے چوما۔ جیسے اس کا چہیتا بیٹا ہو اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی یادوں کے پردے اٹھتے رہے۔ واقعات کی فلم اس کی تصوّر کی آنکھوں کے سامنے متحرک رہی اور دنوں کو مہینوں میں، اور مہینوں کو سالوں میں محیط کرتی رہی۔

سردی خیمے کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔ لیکن اس کے باوجود خالد کی پیشانی پسینے سے بھر گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہوتے رہے۔

"اگر سرمایہ داروں کی مدد شامل حال نہ ہوتی، تو صیہونیت کبھی وجود میں نہ آتی اور نہ جارحیت کے بل بوتے پر استوار ہوتی۔"

اس نے اپنا مکّا بلند کیا اور خیمے پر دے مارا۔ وہ نیم خوابیدہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا لیکن پھر دوبارہ لیٹ گیا

"وہ ۱۹۴۸ء کی جنگ جیتنے کے قابل تھے لیکن عوام منظم نہ تھے۔ لوگ، اپنے محدود وسائل کے ساتھ یہودی حملہ آوروں کیخلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ فوج نے حصہ لیا۔ سپاہی یہودیوں اور انگریزوں کے خلاف لڑنا چاہتے تھے ـــ لیکن چند افراد نے غدّاری کی اور اپنے ملک اور فوج کا، سودا کر لیا۔"

خالد نے کروٹ بدلی اور دانت پیستے ہوئے بڑبڑایا،

"آج کی صورتحال کل سے کتنی مطابقت رکھتی ہے! کل پہلے عارضی صلح، گفت وشنید اور پھر روڈس معاہدہ لیکن لوگ خیموں میں پناہ گزین ہو گئے اور آج۔ اقوام متحدہ، امن، غلامی کے منصوبے، راجرز پلان، غدّاری اور فلسطینی عوام اسی طرح خیموں میں پناہ گزین ہیں۔" خالد کے چہرے پر سختی آگئی، پھر لمحہ بھر بعد اس کی جگہ ایک خوبصورت مسکراہٹ نے لے لی۔

"لیکن آج، کل نہیں ہے۔ عوام منظم ہو چکے ہیں۔ وہ لڑنا چاہتے ہیں۔ ان کی صفوں سے نئے لیڈر ابھر رہے ہیں۔ انقلابی راہ صاف اور سامنے ہے اور ہم سب مل کر گائیں گے۔"

"بھائیو،
میں اپنے شہید اور اسیر بھائیوں پر یقین رکھتا ہوں
اب میرے ہاتھ میں بندوق ہے۔"

باقی صفحہ ۳۸ پر ملاحظہ فرمائیں

سامراج اور صیہونیت سے نجات کا واحد راستہ۔ عوامی جنگ

فدائین نے موشے دایان کے خوابوں کی تعبیر الٹ دی ——!!

خالد عبدالغنی
نمائندہ، تحریک قومی آزادی فلسطین - مقیم پاکستان!



چند سال بیشتر مشرق وسطیٰ کے رجعت پسند حکومتوں نے فلسطینی انقلاب اور عوام کے خلاف متعدد خونی اور تشدد آمیز مہموں کا آغاز کیا۔ اِن خونی اقدامات اور تشدد آمیز کارروائیوں کا واحد مقصد فلسطینی کاز کو ختم کرنا اور عوام کے اُن جذبات حریت، امنگوں اور امیدوں کو کچلنا تھا۔ جو ۱۹۶۵ء سے مسلسل پروان چڑھ رہی تھیں۔ لیکن رجعت پسندوں کی یہ سازشیں اور فوجی اقدامات ناکام ہو گئے۔ بلکہ اس کے برعکس فلسطینی انقلاب اور عرب قومی تحریک آزادی دِن بدن کامیابی کی منزلیں طے کرنے لگی۔ کیونکہ فلسطینی عوام کو رجعت پسندوں کے مذموم ہتھکنڈوں سے نمٹنے کا تجربہ حاصل ہوا۔

جب ہوا نے سامراجیوں کے مفادات اور مذموم خواہشات کے خلاف رُخ اختیار کیا۔ تو انہوں نے صیہونی دشمن کو آگے بڑھایا، تاکہ اس کے ذریعے وہ تمام مقاصد حاصل کئے جائیں جن کو عرب کی رجعت پسند حکومتیں حاصل کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ اُس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صیہونی دشمن کو مسلسل جدید ترین ہتھیاروں سے نوازا جاتا رہا اور اس کی افرادی طاقت میں اضافہ کیا گیا۔ ان اقدامات کا مقصد یہ تھا کہ نہ صرف عرب مقبوضہ علاقوں پر صیہونی دشمن کا تسلط برقرار رہے بلکہ سرزمین عرب پر ظلم و استبداد کے لئے خاردار درخت اُگائے جائیں اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ صیہونیت، عربوں پر اچانک اور بھاری ضرب لگانے کی تیاری کر رہی تھی۔ تاکہ عربوں پر غلامی، محکومی اور شکست کی ایسی ہتک اور توہین آمیز شرائط تھوپ دی جائیں جو سامراجیوں اور ان کے پالتو کتوں کے مفادات اور خواہشات کے مطابق ہوں۔

مندرجہ بالا حقائق اور صیہونی دشمن کی جارحانہ پالیسی ہی موجودہ جنگ کے حقیقی محرکات ہیں۔ موجودہ جنگ میں عرب فوجیں اور فلسطینی مجاہدین آزادی، دشمن کو منہ توڑ جواب دے رہے ہیں۔ فلسطینی فدائی، عرب فوجوں کے شانہ بشانہ لڑ رہے ہیں۔ اور دشمن کی صفوں کو الٹ رہے ہیں اور وہ مقبوضہ فلسطین کے اندر بھی سرگرم عمل ہیں۔ دشمن فوجوں کے عقب پر حملہ کر کے اُسے بھاری نقصان پہنچا رہے ہیں۔ سپلائی لائنوں کو درہم برہم کر رہے ہیں۔ اُن کی مجاہدانہ کارروائیوں نے موشے دایان کے خوابوں کی تعبیر کو اُلٹ دیا ہے

جنگ کو شروع ہوئے کئی دن بیت چکے ہیں عرب جانباز بڑی بہادری اور جرات سے دُشمن کو دندانِ شکن جواب دے رہے ہیں۔ اور دشمن کو کچلتے ہوئے عرب مقبوضہ علاقوں کو آزاد کراتے ہوئے مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں اس موقع پر جب کہ ہماری آزادی یا موت کی جدوجہد جاری ہے۔ اور دشمن روزانہ بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھا کر مسلسل پسپا ہو رہا ہے۔ مقبوضہ علاقوں میں ہمارے عوام تاریخی کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ اور اپنے لہو سے تاریخ حریت میں نیا باب رقم کر رہے ہیں۔ انہوں نے بڑی شاہراہوں کو بند کر دیا تاکہ دشمن کی فوجوں کی نقل و حمل آسانی سے نہ ہوسکے۔ فوجی سپلائی لائینوں کو درہم برہم کر دیا اور دشمن کے کارخانوں میں کام کرنے سے انکار کر کے اس کی معیشت کا پہیہ جام کر دیا۔ اس کے علاوہ وہ فلسطینی مجاہدین کو ان کی گوریلا سرگرمیوں اور کارروائیوں میں پوری مدد دے رہے ہیں

ضرورت اس بات کی ہے کہ قومی سپاہ آزادی متحد ہو کر آزادی کی جنگ آخری فتح تک جاری رکھے عوام اور محنت کش ہی تاریخ کے خالق ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ عوام وسیع پیمانے اور بھاری تعداد میں اس جنگ میں حصہ لے کر اسے "دفاعی عوامی جنگ" میں تبدیل کر دیں۔

امریکہ کے بنکوں سے عرب ممالک اپنی تمام دولت نکال لیں

ایسی عوامی فوج جو اسرائیل کی فوجی مشینری کو مکمل طور پر تباہ کر دے اور متحد اور ترقی یافتہ عرب معاشرہ کے قیام کے لئے قومی آزادی کی جنگ لڑے۔

جنگ کو آخری فتح تک جاری رکھنے اور صیہونی دشمن کی تنگ نظر اور ظالم فوج کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ حالیہ جنگ کو عوامی جنگ میں تبدیل کر دیا جائے لیکن عوامی جنگ کے لئے بھاری تعداد میں عوام کی شرکت ایک لازمی شرط ہے اور جب ہم اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو مندرجہ ذیل نکات کو ذہن میں رکھنا چاہیئے۔

(۱) فلسطینی اور عرب عوام، عرب ممالک کی فوجوں کے شانہ بشانہ اگلے مورچوں اور دفاعی محاذوں پر مکمل اتحاد اور سرگرمی سے لڑیں۔ اسی اثناء میں عرب عوام مسلمانوں اور دنیا کے دیگر ممالک کو چاہیئے کہ وہ اردن کو صیہونی دشمن کے خلاف محاذ کھولنے اور لڑنے پر مجبور کریں کیونکہ دنیائے عرب میں اردن ہی ایسا ملک ہے۔ جس کی وسیع ترین سرحدیں اسرائیل سے ملتی ہیں یہ سرحد ۵۰۰ میل لمبی ہے۔ اس کے علاوہ ضروری ہے کہ ان رجعت پسندوں اور عوام دشمن عناصر کے چہروں کو بے نقاب کیا جائے جو کچھ فوجی دستے اور چند سنہری سکے دے کر عوام کو دھوکہ دینے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ انقلابی عوام کو ان رجعت پسندوں کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیئے۔

(۲) جنگ کو آخری فتح تک جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ عرب اور دیگر مسلم ممالک میں عوامی یونٹ بنائے جائیں تاکہ ہر حالت میں جدوجہد کو جاری رکھا جا سکے۔

(۳) جنگ کو موجودہ سرحدوں تک محدود رکھنے کی بجائے اسے ۱۹۴۸ء کے مقبوضہ علاقوں کے اندر تک پھیلایا جائے تاکہ پورے فلسطین کو آزاد کرایا جا سکے۔ جنگ کو تیز کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عوام میں آخری فتح تک لڑنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

(۴) جو سامراجی ممالک صیہونی دشمن کی حمایت کر رہے ہیں۔ ان کو تیل کی سپلائی فوراً بند کر دی جائے۔ اور امریکی سامراجی مفادات کو فوری طور پر قومیا لیا جائے اس کے علاوہ امریکہ کے بنکوں سے عربوں کی دولت نکال کر اسے قومی آزادی کی جنگ میں صرف کیا جائے۔

ان مقاصد کو حاصل کرنا آسان نہیں، بلکہ بہت مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں، بشرطیکہ عرب محنت کش اور عوام ان ممالک پر زور ڈالیں جن کی دولت اور سونا، امریکی بنکوں میں محفوظ ہے۔

عرب عوام کو قومی آزادی کی جنگ پر آمادہ کرنے اور اس جنگ کو عوامی جنگ میں تبدیل کرنے کے لئے مندرجہ بالا تجاویز پر عمل کرنا ضروری ہے ان تجاویز پر عمل کرنے سے ہی امریکی سامراج کی اعلانیہ مداخلت اور صیہونی دشمن کی جارحانہ اقدامات کا جرأت مندی اور پامردی سے جواب دیا جا سکتا ہے۔



مسلم ممالک

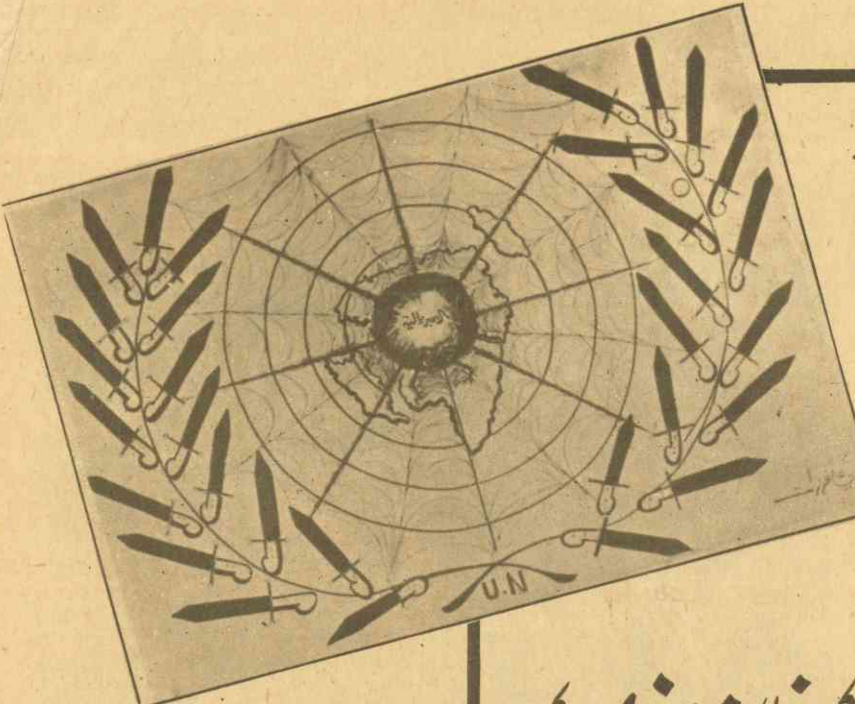
شاہ حسین کو اردن

کا محاذ کھولنے

پر مجبور کریں

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے اور جو کچھ ویت نام میں ہوا۔ وہ بلکہ اس سے بھی بدتر حالات مشرق وسطیٰ میں پیدا ہو جائیں۔ کیونکہ یہ خطۂ ارض تیل کی بدولت سے مالا مال ہے۔ اور سامراجی اسے آسانی سے نہیں چھوڑیں گے بلکہ قوی امکان ہے کہ اجارہ دار سرمایہ دار عرب وسائل کا استحصال اور لوٹ کھسوٹ کرنے کے لئے اعلانیہ مداخلت کریں گے۔ لیکن ہمیں یقین ہے، کہ جب ویت نام جیسے چھوٹے ملک اور ویت نامی عوام، امریکی سامراج کو ویت نام کی وادیوں میں دفن کر سکتے ہیں تو عرب عوام بھی یقیناً امریکی سامراج اور اس کی اعلیٰ ٹیکنالوجی کو نیست و نابود کر سکتے ہیں اور ویت نامی عوام کی طرح شاندار اور عظیم فتح سے ہمکنار ہو سکتے ہیں "ایک چھوٹی قوم، بڑی قوم کو شکست دے سکتی ہے"۔ یہ وہ سبق ہے جو ہمیں اور دنیا بھر کے مظلوم عوام کو ویت نامیوں کی جدوجہد نے دیا۔ یہ ویت نامی عوام ہیں جنہوں نے امریکہ جیسی عالمی طاقت سے لڑنے کی جرأت کی، فتح پہ فتح حاصل کی اور امریکہ کی اعلیٰ ٹیکنالوجی اور جدید ترین مہلک ہتھیاروں کو شکست دی۔ اب عرب فوجیں اور گوریلے سامراجیوں اور صیہونی دشمن سے نبرد آزما ہیں اور ان کی روزانہ کی جدوجہد ثابت کر رہی ہے کہ سامراجی، صیہونیت اور رجعت پسند "کاغذی شیر" ہیں۔

اگر عرب قوم، اپنی تمام افرادی طاقت اور اپنے پورے معاشی وسائل جنگ آزادی پر صرف کر دے، تو ہمیں یقین کامل ہے کہ عرب قوم صیہونی دشمن کے قلب میں خنجر گھونپنے میں کامیاب اور امریکی سامراج کی طاقت کا منہ توڑ جواب دے سکتی ہے۔ وہ لوگ جنہیں بیرونی مداخلت کا خدشہ ہے، مستقبل کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ اپنے مفادات کا تحفظ کر رہے ہیں۔ کیا انہیں محاذوں اور مقبوضہ علاقے میں بہتا ہوا مقدس خون نظر نہیں آتا، کیا انہیں انسانوں کی قربانیاں دکھائی نہیں دیتیں، کیا انہیں روشن اور خوشحال مستقبل نظر نہیں آتا، ان تمام باتوں کے باوجود ہم "جنگ بندی قبول نہیں، غلامی اور محکومی اور شکست نہیں چاہیئے" کے نعرے لگاتے ہوئے جنگ، جنگ اور مسلسل جنگ پر زور دیتے رہے ہیں جب تک کہ دشمن کا مکمل خاتمہ نہیں ہو جاتا۔



قرارداد میں صیہونی جارحیّت کی کھل کر
مذمت کی جائے، چین کا نمائندہ

الفتح رپورٹ

اسرائیل نے اقوام متحدہ کے ہر فیصلہ کی خلاف ورزی کی

۲۶ جولائی کو عرب اسرائیل جنگ کے بارے میں سلامتی کونسل میں ایک قرارداد منظور کی گئی جسے امریکہ نے ویٹو کر کے ۱۹۶۷ء کی اسرائیلی جارحیت کی باقاعدہ حوصلہ افزائی کی۔ برطانیہ نے قرارداد کی حمائت کی جس پر لندن میں اسرائیلی سفارت خانہ نے شدید نکتہ چینی کی۔ امریکی اقدام نے عرب اسرائیل تنازعہ کو سیاسی ذرائع سے حل کرنے کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ ساتھ ہی عرب ممالک کے اس مؤقف کو شدید تقویت ملی کہ اسرائیل سے عرب مقبوضہ علاقوں کی واپسی، جنگ ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

قرارداد کا مسودہ نو غیر جانبدار ممالک، یوگوسلاویہ، بھارت انڈونیشیا، گنی، کینیا، سوڈان، پناما، اور پیرو نے مل کر پیش کیا تھا اس قرارداد میں یورپی ممالک برطانیہ، فرانس، آسٹریا اور آسٹریلیا کی جانب سے جو تجاویز پیش کی گئیں، انہیں مسودہ میں شامل کر لیا گیا۔

قرارداد میں اس بات پر سخت تشویش کا اظہار کیا گیا۔ کہ اسرائیل مشرقِ وسطیٰ کے تنازعہ کے پرامن تصفیے میں اقوام متحدہ سے تعاون نہیں کر رہا ہے، اور جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے دوران اسرائیل نے جن عرب علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، انہیں ابھی تک اپنے قبضے میں رکھنے پر مصر ہے۔ اس قرارداد میں جو بھارت اور نو غیر مستقل ممالک کی جانب سے پیش کی گئی تھی، قرارداد نمبر ۲۴۲ (۱۹۶۷) کی تائید کی گئی جسے کونسل کے ارکان کی حمائت حاصل تھی، علاوہ ازیں کونسل کی جانب سے ۱۹۷۱ء کی گونار یارنگ کی تجاویز کی بھی تصدیق کی گئی تھی۔ قرارداد میں اس علاقہ کے تمام ممالک کی قومی خود مختاری اور سرحدوں کی سالمیت اور فلسطینیوں کے حقوق اور جائز خواہشات کے تحفظ پر زور دیا گیا تھا۔

مسودہ میں مقبوضہ عرب علاقوں کی سرحدوں میں کسی قسم کی تبدیلی کی مخالفت کی گئی تھی۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ اگر اس قسم کی تبدیلیوں کی اجازت دیدی گئی تو عرب اسرائیل تنازعہ کو پُرامن ذرائع سے حل کرنے کا راستہ بند ہو جائے گا۔ قرارداد میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اور خصوصی نمائندہ سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ اس علاقہ میں امن کے قیام کے سلسلے میں اپنی کوششیں جاری رکھیں۔

اس قرارداد کے حق میں ۱۳ ممالک کے ووٹ آئے لیکن امریکہ نے ویٹو استعمال کیا۔ لندن میں اسرائیلی سفارت خانہ کی جانب سے اس قرارداد کی حمائت کرنے پر برطانیہ کے رویے پر شدید نکتہ چینی کی گئی۔ سفارت خانہ کے ایک ترجمان نے کہا کہ برطانوی حکومت کو قبل از وقت آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اسرائیل کے لئے یہ قرارداد قطعی ناقابلِ قبول ہے۔ پھر بھی برطانیہ نے اس قرارداد کی حمائت کی"۔

اسرائیل نے اس امر پر بھی سخت حیرت کا اظہار کیا کہ وہ جن ممالک کو اپنا دوست سمجھ رہا تھا انہوں نے بھی قرارداد کی حمائت کی تھی۔ چنانچہ یروشلم میں پناما، پیرو، آسٹریلیا اور آسٹریا کے سفیروں کو بلا کر کہا گیا تھا ان کی حکومتوں نے قرارداد کی حمایت کر کے اسرائیل کو سخت مایوس کیا۔

اقوام متحدہ میں چین کے نمائندے مسٹر ہوانگ ہُو نے حال ہی میں مسئلہ فلسطین پر چین کے مؤقف پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ قرارداد کو، اقوام متحدہ کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیئے، انہیں غلط اور صحیح کا فرق واضح ہونا چاہیئے، اور انصاف کا پرچم بلند رکھنے کے لئے حقیقت بیانی سے کام لینا چاہیئے۔ چین قرارداد میں کھل کر صیہونی جارحیت کی مذمت کرنے کے حق میں ہے۔ کیونکہ اسرائیل عربوں اور فلسطینی عوام کے خلاف عرصہ دراز سے جارحیت کر رہا ہے۔ قرارداد میں اسرائیل سے واضح طور پر مطالبہ کرنا چاہیئے

لندن میں اسرائیلی سفارتخانہ برطانیہ پر برس پڑا

چینی حکومت اور عوام عربوں کے ساتھ ہیں



کہ وہ شام، مصر اور دوسرے عرب ممالک کے مقبوضہ علاقوں کو فوری طور پر خالی کر دے، فلسطینی عوام کو قومی حقوق دیئے جائیں اور دنیا کے تمام حکومتوں اور عوام سے اپیل کی جائے کہ وہ عرب اور فلسطینی عوام کو ان کی جائز، منصفانہ جدوجہد کی بھرپور حمائت کریں۔ انہوں نے مزید کہا کہ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں چینی حکومت سمجھتی ہے کہ موجودہ قرارداد اقوام متحدہ کے چارٹر کو پوری طرح اجاگر کرنے میں ناکام رہا ہے۔ چنانچہ چینی حکومت نے ووٹنگ میں شامل نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے برعکس سوویت یونین نے قرارداد کی حمائت کی۔ روس کے نمائندہ مسٹر جیکب ملک نے کہا کہ عرب مقبوضہ علاقوں سے اسرائیلی فوجوں کے مکمل انخلا تک اس تنازعہ کا حل ناممکن ہے۔

اقوام متحدہ میں برطانیہ کے نمائندہ سر کولن کرو نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ برطانیہ کو اس بات پر افسوس ہے کہ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے جن عرب علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا انہیں اس نے ابھی تک خالی نہیں کیا اور ان پر اس کا بدستور

مسئلہ فلسطین اور چین

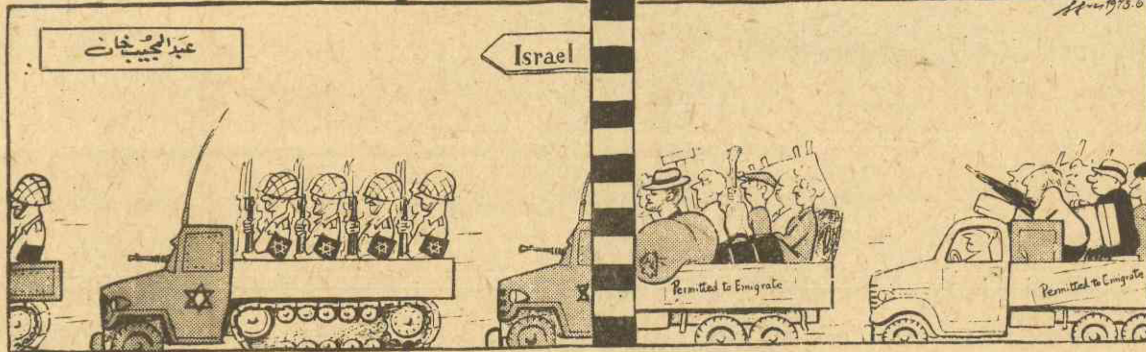
۸ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو چین کے نمائندہ مسٹر ہوانگ ہُو نے تقریر کرتے ہوئے تازہ اسرائیلی جارحیت کی شدید مذمت کی انہوں نے اعلان کیا کہ چینی حکومت اسرائیلی جارحیت کے خلاف شام، مصر، اور فلسطینی عوام اور ان کے فوجیوں کی مکمل حمائت کرتی ہے انہوں نے کہا کہ بڑی طاقتوں کی سیاسی حمائت کی وجہ سے اسرائیل عرب ممالک کے خلاف مسلسل جارحیت کی پالیسی پر گامزن ہے۔ اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم پوری دنیا کے سامنے کھل گئے ہیں۔ اس نے نہ صرف عرب کے مقبوضہ علاقوں پر اپنے تسلط کو مضبوط کیا، بلکہ

۶ اکتوبر کو مصر، شام اور فلسطینی فدائین پر بڑے پیمانے پر حملہ کر دیا یہ عرب عوام ہی کے خلاف نہیں بلکہ ایشیا، افریقہ، لاطینی امریکہ اور انصاف کے پرچم بلند رکھنے والے بقیہ تمام ممالک کے خلاف ایک اشتعال انگیز کارروائی کی گئی ہے۔ چینی حکومت اسرائیل کی تازہ جارحیت پر انتہائی غم و غصے کا اظہار کرتی ہے اور اس کی شدید مذمت کرتی ہے۔

انہوں نے اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا، کہ مصر، شام اور فلسطینی فدائین عرب ممالک کی حمائت سے اسرائیلی جارحیت کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے ہیں اور انہوں نے بڑی جرأتمندی سے اسرائیلی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا ہے۔ وہ اپنی مقدس زمین کی سرحدوں پر حملہ آور دشمن کا مقابلہ کرنے کا فرض ادا کر رہے ہیں چینی حکومت اور عوام ان کی بہادرانہ اقدام کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی منصفانہ جدوجہد میں اپنے بھرپور تعاون اور حمائت کا یقین دلاتے ہیں۔

مسٹر ہوانگ ہُو نے کہا کہ اقوام متحدہ میں ۱۹۶۷ء میں ایسی متعدد قراردادیں منظور کی گئیں۔ جن میں اسرائیل سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ جون ۱۹۶۷ء میں اس نے جن عرب علاقوں پر غیر قانونی طریقہ سے قبضہ کر لیا تھا، انہیں فی الفور خالی کر دے، لیکن آج تک کیا کسی نے اسرائیل کو مقبوضہ علاقوں میں ایک انچ زمین خالی کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ جبکہ اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل نمبر ۱ پیراگراف نمبر ۱ میں خاصی طور پر یہ شق موجود ہے جس میں جارحیت کے عمل کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ اقوام متحدہ نے اسرائیلی جارحیت کو کچلنے کے لئے کیا کیا؟ انہوں نے کہا۔ اور جبکہ آج مصر، شام اور فلسطینی عوام صیہونیت کی تازہ جارحیت کے خلاف نبرد آزما ہیں تو کچھ لوگ اسرائیلی جارحیت کی مذمت کرنے کی بجائے اپنی انگلی کبھی اِدھر اٹھاتے ہیں اور کبھی اُدھر، حالانکہ انہیں بے باکی کے ساتھ اسرائیلی جارحیت کی مذمت اور عرب ممالک کی حمائت کرنا چاہیئے۔

انہوں نے بڑی طاقتوں کی پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ، دراصل اسرائیلی توسیع پسندوں کی حوصلہ افزائی میں دو بڑی طاقتوں کا زبردست ہاتھ رہا ہے۔ عربوں نے اس بار اسرائیلی جارحیت کا طاقت سے جواب دے کر مشرقِ وسطیٰ میں بڑی طاقتوں کی پالیسی "نو وار" "نو پیس" کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اور اب وہ اپنی سرحدوں سے اسرائیلی توسیع پسندوں کو نکال باہر کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عرب ممالک اور فلسطینی عوام میں سیاسی بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی ہے۔ عرب ممالک کی فوری اور معمولی مشکلات اور نقصانات کے باوجود ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ عرب ممالک اور فلسطینی عوام اپنے اتحاد اور جدوجہد کے ذریعہ اپنی سرحدوں کو واپس لینے اور فلسطینی عوام بالآخر قومی حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔



روسی یہودی بڑی تعداد میں اسرائیل پہنچ رہے ہیں

اسرائیلی آبادی میں اضافہ عربوں کے خلاف ایک سازش

کیا ماسکو امریکی کانگریس کے دباؤ میں آگیا ؟

حالیہ سالوں کے دوران سوویت یونین سے ترک وطن کرنے والے اسرائیلیوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ متعدد رپورٹوں کے مطابق ۱۹۶۱ء سے لے کر ۱۹۷۰ء کے درمیان ۱۰،۳۰۰ اسرائیلی سوویت یونین سے اسرائیل پہنچے۔ ۱۹۷۱ء میں تارکین وطن کی تعداد ۱۳۹۰۰ تک پہنچ گئی جو گزشتہ دس سالوں کی نسبت سب سے زیادہ ہے۔ ۱۹۷۲ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۳۲،۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ اسی اثنا میں تقریباً تین گنا یہودیوں نے امریکہ، برطانیہ اور فرانس سے اسرائیل کی طرف کوچ کیا۔ اور اس طرح اس سال یہودیوں کی افرادی طاقت میں بھی کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

ایک اندازے کے مطابق ایک سال کے اندر تقریباً پچیس ہزار روسی یہودی اسرائیل میں آکر آباد ہو چکے ہیں۔ حال ہی میں مغربی نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے اسرائیلی ڈپٹی پرمیئر یجال ایلن نے بتایا تھا کہ "سوویت یونین سے آئندہ دس سالوں میں مزید دس لاکھ یہودی اسرائیل آئیں گے۔" ترک وطن کرنے والوں میں زیادہ تر سائنسدان اور ماہرین شامل ہیں۔ اور اس طرح اسرائیل کی سائنسدانوں اور ماہرین کی افرادی طاقت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

اس سے بڑھ کر قابل نفرت بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی وجہ سے بین الاقوامی بے چینی میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ سوویت حکمرانوں کو جب تک یہودی سائنسدانوں اور ماہروں کی خدمات کی ضرورت رہی۔ انہیں استعمال، کرتے رہے اور پھر انہیں ترک وطن کر کے اسرائیل جانے پر مجبور کیا گیا۔ اور جانے سے پہلے ان سے بھاری تعلیمی ٹیکس ادا کرنے کے لئے کہا گیا۔ یہ سب کے سب افراد تربیت یافتہ ہیں، جن کی اسرائیل کو عرصہ دراز سے اشد ضرورت تھی۔ اور سوویت یونین اس بات سے بھی دانستہ طور پر خوب اچھی طرح واقف تھی کہ جو یہودی تعلیمی ٹیکس ادا نہیں کر سکتے ہیں۔ وہ دوسرے ممالک میں بسنے والے یہودیوں سے مدد مانگیں گے۔ اس پر امریکی کانگریس کے ممبروں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر سوویت یونین نے اسرائیلیوں کو آزادانہ طور پر ترک وطن کی اجازت نہ دی تو امریکی کانگریس بھی سوویت یونین کو تجارت میں کسی قسم کی مراعات نہیں دے گی۔ کانگریس کے اس بیان پر کریملن کی طرف سے سخت غم کا غصہ کا اظہار کیا گیا۔ اور سوویت حکومت کو مجبوراً تارکین وطن کو تعلیمی ٹیکس سے مستثنیٰ یا اس میں کمی کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔

پچھلے سال دسمبر میں، ماسکو سے ایک بیان جاری ہوا تھا۔ جس میں سوویت شہریوں سے جو دوسرے ممالک میں جا کر آباد ہونا چاہتے تھے، تعلیمی ٹیکس ادا کرنے کو کہا گیا تھا۔ لیکن جن روسی یہودیوں نے ترک وطن کی خواہش ظاہر کی تھی، انہیں ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا گیا یا ان سے بہت کم تعلیمی ٹیکس وصول کیا گیا۔

چنانچہ اس سال کے شروع میں بہت سے روسی یہودیوں کو اسرائیل جانے کی اجازت دے دی گئی۔ ماسکو میں امریکی نامہ نگاروں کو ایسے سرٹیفیکیٹ کے فوٹو بھی دکھائے گئے جس میں ترک وطن کرنے والے یہودیوں کو ٹیکس سے

روس نے ترک وطن کرنیوالے یہودیوں کو تعلیمی ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیدیا

یہودی سائنسدانوں کو اسرائیل جانے پر مجبور کیا گیا

مستثنیٰ دکھایا گیا تھا۔

امریکی سینیٹر Hugh Scott نے ۱۸ اپریل کو کہا کہ سوویت یونین نے سرکاری طور پر امریکی حکومت کو مطلع کیا ہے کہ اس نے ترک وطن کرنے والے روسی یہودیوں کو ٹیکس سے بالکل مستثنیٰ کر دیا ہے۔ ابھی حال ہی میں ماسکو میں یہودیوں کے ایک گروپ نے، ایک پریس کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ "یہودیوں کی حیثیت سیاست کے کھیل میں ترپ کے پتے کی سی ہے جسے سوویت حکمران پوری طرح استعمال کر رہے ہیں۔"

سوویت یونین کی طرف سے یہودیوں کی آبادی کا انخلاً اور اسرائیل میں آمد، عرب عوام اور حکومتوں کیلئے سخت تشویش کا باعث ہے۔ عرب لیگ کے اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل سید نوفال (S. Nofal) نے حال ہی میں پریس کو ایک بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ "اسرائیل میں کسی بھی طرح آبادی میں اضافہ، عربوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت کی حوصلہ افزائی ہے۔

الجزائر کے اخبار "المجاہد" نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔ "ناجائز طور پر قبضہ کی ہوئی سرحدوں میں لوگوں کو جمع کرنا، صیہونی فوج کو افرادی طاقت کی کمک پہنچانے کے مترادف ہوگا۔" اخبار مزید لکھتا ہے۔ "اس طرح عرب ممالک کو ایک نئے خطرناک مسئلے کا سامنا کرنا ہوگا۔"

مصری ہفت روزہ "اخبار الیوم" نے اپنے ایک مضمون میں اس مسئلے پر یوں تبصرہ کیا ہے۔ "اگر امریکی حکومت اسرائیل کو فوجی ساز و سامان مہیا کر رہی ہے تو سوویت حکومت ان ہتھیاروں کو استعمال کرنے کیلئے افرادی طاقت مہیا کر رہی ہے۔

کویت کے اخبار AL RAI ANN نے اپنی حالیہ اشاعت میں لکھا تھا۔ "روس اسرائیلی صیہونیت کو افرادی طاقت، مثلاً ماہرین، دانشوروں اور سائنس والوں کو مہیا کرنے والا پہلا ملک ہے۔ جبکہ امریکہ اسرائیلی صیہونیت کو ہتھیار اور جنگی ساز و سامان مہیا کر رہا ہے۔ اسی مضمون میں آگے چل کر لکھا گیا ہے کہ روس کا یہ اقدام اسرائیلی صیہونیت میں جان ڈال رہا ہے۔ جو سب سے زیادہ خطرناک عمل ہے بہ نسبت اس کے امریکی سامراج، اسرائیلیوں کو اخلاقی اور مادی امداد دے کر اپنا گھٹیا کردار ادا کر رہا ہے۔ لیکن یہ عمل زیادہ تشویشناک نہیں ہے۔ کیونکہ روس تو براہِ راست افرادی طاقت مہیا کر کے اسرائیلی صیہونیت کو مزید پروان چڑھا رہا ہے۔"

ظاہری طور پر اکثر و بیشتر روسی ترمیم پسند اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ فلسطین کے انقلابیوں اور عرب عوام کی مکمل حمایت کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اسرائیلی صیہونیت کی افرادی طاقت میں بھی اضافہ کر رہا ہے۔ یہ روسی ترمیم پسندوں کے دوہرے کردار کا ایک حصہ ہے۔ جس پر عمل کر کے روسی ترمیم پسند ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے انقلابی عوام کو فریب اور دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں۔

مکاری اور دغابازی کے اس دوہرے کردار کے بدصورت پہلو سے عرب عوام اور دوسرے انقلابی عوام بخوبی واقف ہو چکے ہیں اور دوسروں کو بھی اسکی حقیقت اور سچائی سمجھانے کے لئے برابر کوشاں رہیں گے ایسے لوگ جو دشمن کی مدد کرتے ہیں۔ کبھی سچے دوست ثابت نہیں ہو سکتے۔

وھائٹ ھاؤس
اسرائیل کو
اسلحہ اور
ماسکو افرادی
طاقت مہیا
کر رہا ہے

بقیہ: افسانہ

تاکہ ہمارے بعد، آنے والی نسلیں
آزاد فضاؤں میں درانتیاں اٹھا سکیں

"خالد، خالد، اٹھ جاؤ! وقت ہو گیا۔ جاگو، میرے بھائی تم سوتے میں ہمارا نغمہ گا رہے تھے۔ تمہاری آواز میں اتنی شدت تھی، جیسے بادل کڑکڑا رہے ہیں اور اتنی مٹھاس تھی جیسے کوئی چشمہ اٹھکیلیاں کرتا ہوا پہاڑوں میں بہہ رہا ہو۔"

اور خالد نے آنکھیں کھول دیں جیسے وہ سو نہ رہا تھا۔ اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور اپنے اندر ایک عجیب سی مسرت انگیز لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی۔

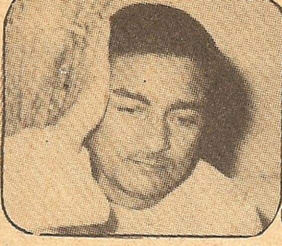
آج جمعرات کا دن ہے۔ ہر ہفتے کے اسی دن میں اپنے والد کے ساتھ کھیتوں میں جایا کرتا اور ان کی مدد کیا کرتا تھا۔ اور اسی طرح ایک دن ہم نے اپنے چچا کو خدا حافظ کہا تھا۔ آج ـــــ"

خالد تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا، اس کی آنکھیں ہمت و عزم سے چمک رہی تھیں۔ اپنے گروپ کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ وہ بھی تیار ہو گیا۔ اپنے کندھے پر مشین گن رکھے ہوئے انہوں نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ اور پھر ان کی آوازیں ایک نغمے میں بلند ہوتی چلی گئیں۔

آج میرے ہاتھ میں بندوق ہے
تاکہ ہمارے بعد، آنے والی نسلیں
آزاد فضاؤں میں، درانتیاں اٹھا سکیں۔

مسئلہ فلسطین اور پاکستانی فلمی صنعت

خلیل قیصر اور ریاض شاہد زندہ ہوتے تو عرب کاز پر مزید فلمیں بنا کر عرب عوام کو پاکستانی عوام سے اور قریب کر دیتے!!



عرب نیشنلزم پر شہید پہلی کامیاب فلم تھی

خلیل قیصر اور ریاض شاہد نے عرب کاز کو آگے بڑھایا

• سعیدہ •

پاکستانی عوام نے ہمیشہ تمام سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر عربوں کی جائز اور منصفانہ جدوجہد کی بھرپور تائید و حمایت کی، اور اسرائیلی جارحیت کی مختلف طریقوں سے مذمت کی۔ اس معاملے میں ہماری فلم انڈسٹری نے بھی اپنے وسائل کے مطابق تھوڑی بہت خدمات انجام دیں۔ گو فلسطینی تحریک آزادی کے موضوع پر ہماری فلم انڈسٹری نے بہت کم فلمیں تیار کیں، لیکن جن فلمسازوں اور ہدایت کاروں نے اس نوع کی فلمیں تیار کیں، ان میں خلیل قیصر اور ریاض شاہد کا نام سرفہرست ہے۔ خلیل قیصر مرحوم بنیادی طور پر ترقی پسند اور سوشلسٹ مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے فلمساز اور ہدایت کار تھے۔

چنانچہ ان کی بیشتر فلمیں سرمایہ دارانہ معاشرے کی بے انصافیوں پر مبنی ہیں۔ انہوں نے پہلی مرتبہ اپنی فلم "شہید" میں ان حقائق کی نشاندہی کی جن کے تحت برطانوی سامراج نے عرب کے نخلستانوں سے پھوٹنے والے تیل کے چشموں پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ فلم کے آخری حصے میں زخموں سے چور ہیروئن تیل کے ان چشموں کو بھک سے اڑانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ جن پر برطانوی سامراج کے ایجنٹوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اسی طرح پاکستان کی فلمی صنعت میں خلیل قیصر مرحوم پہلے ترقی پسند فنکار تھے جنہوں نے قوم پرست عربوں کی ولولہ انگیز جدوجہد کے پس منظر میں فلم تیار کر کے عرب عوام سے نظریاتی دوستی کا ثبوت دیا۔ یہ فلم اپنے دور کی ایک کامیاب فلم تھی۔ اور پاکستانی عوام میں بے حد مقبول ہوئی۔

ریاض شاہد، خلیل قیصر کے گہرے نظریاتی دوست تھے۔ فلم انڈسٹری میں ان دونوں کی ٹیم مشہور تھی اور دونوں اپنی یکساں سوچ اور سوشلسٹ فکر کی بنیاد پہ کئی کامیاب فلمیں پیش کر چکے تھے۔ دراصل ریاض شاہد، خلیل قیصر کی فنی صلاحیتوں سے خاصے متاثر تھے اور یہی وجہ ہے کہ خلیل قیصر کی وفات کے بعد انہوں نے ان کے ادھورے مشن کو جاری رکھا۔ "زرقا"، اور "یہ امن" جیسی معیاری اور باوقار فلمیں دیں۔ اگر ریاض شاہد کی عمر وفا کرتی تو شاید وہ اس سے کہیں اعلیٰ اور ہر اعتبار سے معیاری فلمیں پیش کرتے۔

زرقا، ایک ممتاز فلسطینی مجاہدہ کے کارناموں پر مبنی فلم تھی۔ یہ مجاہدہ فلسطینی حریت پسندوں کی تنظیم الفتح کی رکن تھی۔ جو دشمنی کی نقل و حرکت کی خبریں ہیڈ کوارٹر میں پہنچایا کرتی تھی۔ اس کی اطلاعات مصدقہ ہوتیں۔ چنانچہ الفتح کی عسکری تنظیم العاصفہ کے حریت پسند ان اطلاعات کی روشنی میں اسرائیلی ٹھکانوں پر حملہ کر کے دشمن کو بھاری نقصان پہنچاتے تھے۔ اسرائیلی حریت پسندوں کے ان کارناموں سے سخت دہشت زدہ تھے۔ وہ اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح یہ راز معلوم کر لیا جائے

فلسطینی فدائین کے کارناموں پر مبنی پاکستان کی پہلی فلم زرقا



کہ ان کی نقل و حرکت کا علم حریت پسندوں کو کس طرح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بڑی جدوجہد کے بعد وہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ زرقا اور اسکے ساتھی گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔ جیل میں انہیں سخت اذیتیں دی جاتی ہیں، لیکن وہ ان سے کسی قسم کی معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ زرقا کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں اور کوڑوں کی بارش میں اسے رقص کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ان بہیمانہ اذیتوں کے درمیان فلسطینی مجاہدہ کی آواز۔ پا بہ زنجیر حریت پسندوں کے حوصلے پست نہیں کرتی۔ بلکہ ان میں ایک نیا ولولہ اور



اسرائیلی صرف طاقت کی زبان سمجھتے ہیں

جوش پیدا کر دیتی ہے۔ "رقص کرنا ہے تو پھر پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ"۔

اس فلم میں ریاض شاہد نے اپنے فن کو کمال پر پہنچا دیا۔ گو اس فلم کو ان کی فنی اور تخلیقی صلاحیتوں کا منتہا قرار نہیں دیا جا سکتا، لیکن انہوں نے اپنے تمام جذبوں کو سمیٹ کر اس فلم کو تخلیق کیا تھا۔ انہوں نے اس مؤثر میڈیا کے ذریعہ عرب عوام سے اپنے اور پاکستانی عوام کے گہرے اور جذباتی رشتہ کی وابستگی کا اظہار کیا تھا۔ یہ بتایا تھا کہ صیہونی جارحیت کے خلاف پاکستانی عوام عرب بھائیوں کے شانہ بشانہ ہیں۔

اس فلم کا دوسرا اہم پہلو موضوع ہے۔ بڑی طاقتوں نے مسئلہ فلسطین کو سرد خانے میں ڈالنے کے لئے ہمیشہ "سیاسی تصفیے" کا پروپیگنڈہ کیا۔ اور مسلح جدوجہد کے راستے کی سختی کے ساتھ مخالفت کی گئی۔ جون ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے دوران عربوں کی شکست سے عرب علاقوں اور مسلم دنیا میں بڑی مایوسی اور بددلی پھیل گئی تھی۔ بڑی طاقتوں کے اس پراپیگنڈے کو بڑی تقویت حاصل ہو رہی تھی کہ اس جھگڑے کا فیصلہ بالآخر پرامن اور باہمی گفت و شنید سے طے کیا جائے۔ لڑائی جھگڑا عربوں کے بس کی بات نہیں۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو عربوں کا مزید بیڑہ ہو جائے گا۔ اس گمراہ کن مہم نے عرب دنیا پر مایوسی کے بادل پھیلا دیئے تھے۔ اسی دوران الفتح کی عسکری تنظیم العاصفہ کے حریت پسندوں نے ہتھیار اٹھا لئے۔ انہوں نے اسرائیلیوں، سامراج اور عرب رجعت پسندوں کو للکارتے ہوئے کہا۔ "ہمارا رستہ، مسلح جدوجہد کا رستہ۔ ہم اپنے مسائل کا حل ہتھیاروں سے کریں گے۔" اس نعرہ کے ساتھ ہی عملی میدان میں حریت پسندوں نے اسرائیلی ٹھکانوں پر پے در پے حملے شروع کر دیئے۔ "الکرامہ" کی ولولہ انگیز فتح نے "پُرامن تصفیہ" کا پردہ چاک کر دیا۔ یہ الفتح کی پہلی اور بڑی کامیابی تھی جس پر اسرائیل ہی نہیں ساری دنیا انگشت بدنداں تھی۔ عرب دنیا کو اس عظیم کامیابی سے پہلی بار اس بات کا احساس ہوا کہ فلسطینی مہاجرین اپنے وطن بات چیت کی بجائے بندوق کے زور پر واپس جا سکتے ہیں۔ عرب دنیا پر پھیلی ہوئی مایوسی اور گھور تاریکی کے بادل چھٹنے لگے اور امید کی کرن جگمگاتی ہوئی نمودار ہوئی۔ "رقص کرنا ہے تو پھر پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ"۔

ریاض شاہد نے اپنی فلم کے لئے اسی موضوع کا انتخاب کیا۔ زرقا حریت پسندوں کے مجاہدانہ اور سرفروشانہ کارناموں کے گرد گھومتی ہے۔ انہوں نے اپنی اس فلم کے ذریعہ عربوں کو یہی پیغام دیا کہ اگر مقبوضہ عرب علاقوں کی واپسی اور فلسطین کا مسئلہ حل کرنا چاہتے ہو تو مسلح جدوجہد کرو، کہ یہی تمہاری ہماری نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ اسرائیلی الفاظ کے آہنگ سے ناآشنا ہیں وہ صرف بندوق کی زبان جانتے ہیں۔ آج وادی سینا اور جولان کی پہاڑیوں میں شامیوں اور مصریوں اور دوسرے مقبوضہ علاقوں میں حریت پسندوں کی یلغار نے ثابت کر دیا کہ یہی راستہ سچائی اور حقیقت کا راستہ ہے۔

زرقا کی نمائش، ایک کامیاب فلم کی نمائش تھی۔ عوام نے جی کھول کر ریاض شاہد کو داد دی۔ اس کی وجہ صرف ایک تھی کہ یہ فلم عوام کے جذبات کی عکاسی کرتی تھی۔ اس فلم نے بین الاقوامی سطح پر بھی تہلکہ مچا دیا۔ خصوصاً اسرائیلی توسیع پسندوں کو پہلی بار اس بات کا احساس ہوا کہ یہ فلم دنیا بھر میں ان کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس فلم کی نمائش کے تقریباً چند ہفتوں بعد ہی ریاض شاہد کے نام گمنام خطوط آنے لگے جن میں انہیں جان سے مارنے کی دھمکی دی گئی تھی۔ پاکستان کے اخبارات میں ان گمنام خطوط کے عکس بھی شائع کئے گئے۔ لیکن اس قسم کی دھمکیوں سے ریاض شاہد کا حوصلہ پست نہ ہوا، بلکہ ان کے دل میں یہ بات جڑ پکڑ گئی کہ اس میڈیا کے ذریعہ وہ سامراج اور اس کے ایجنٹوں پر مؤثر اور کامیاب حملہ کر کے عرب کاز کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ اگر وہ آج زندہ ہوتے تو شاید اس موضوع پر مزید فلمیں تیار کر کے عرب عوام سے پاکستانی عوام کو اور قریب کر دیتے۔

> زخموں سے چور رقاصہ نے تیل کے ذخائر کو بارود سے اڑا دیا



"نیلے پانی کا تحفظ" یا گن بوٹ ڈپلومیسی؟

صیہونی کنسورشیم

امریکی عوام کو جنگوں میں جھونک دیتا ہے

ایچ ایم عباسی

اٹھارویں صدی میں ڈاکٹر سموئیل جانسن برطانیہ میں ممتاز ترین ادبی شخصیت گذرے ہیں ۱۷۶۹ء میں امریکیوں کے بارے میں انہوں نے کہا تھا کہ "وہ مجرموں کی نسل ہیں۔ پھانسی کے سوا ہم انہیں جس بات کی بھی اجازت دے دیں۔ انہیں ہمارا شکر گذار ہونا چاہیئے" ۱۷۷۵ء کے لگ بھگ برطانیوں نے کتنے امریکیوں کو سولی پر لٹکایا یہ ایک الگ داستان ہے۔

عرب ڈاکٹر جانسن کے مشورے پر عمل کرنا پسند نہیں کریں گے۔ اس کا سبب بالکل واضح ہے امریکہ کو کرسٹوفر کولمبس نے نہیں بلکہ عربوں، بلکہ اسپین کے عربوں نے دریافت کیا تھا جس طرح پانی لکڑی کو اپنے سینے پر اٹھائے پھرتا ہے کیونکہ وہی اس کی پرورش کرتا ہے عرب بھی امریکیوں کو اپنا گھر گرم اور پر آسائش بنانے اپنی فیکٹریاں اور گاڑیاں چلانے کے قابل بناتے ہیں۔

اَب اطلاعات مِل رہی ہیں امریکہ پھر وہی کچھ کر رہا ہے جو اوائل دسمبر ۱۹۴۱ء میں اُس نے جرمنی اور جاپان کے خلاف، جون ۱۹۵۰ء میں کوریا کے خلاف، ۱۷۔اپریل ۶۱ء کو کیوبا کے خلاف جون ۱۹۶۵ء سے دسمبر ۱۹۷۲ء تک سات سال تک ویت نام میں کیا تھا۔

صدر ٹرومین نے امریکہ کو کوریا کی لڑائی میں کودنے کا حکم دیا تھا۔ یہ جنگ تین سال سے زائد چلی اور جولائی ۱۹۵۳ء میں ختم ہوئی۔ امریکہ کو اس کی کیا قیمت دینی پڑی اربوں ڈالر کے سامان اور خرچ کا تو ذکر چھوڑیئے جنگ میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد امریکی ہلاک وزخمی ہوئے اور شاید واحد جنگ ہے جس میں امریکہ کی شرکت کا تھوڑا بہت جواز تھا

ممکن ہے مجھ پر یہ الزام رکھا جائے کہ وقت گذرنے کے بعد اَب مجھے عقل آتی ہے لیکن سچائی اور تاریخی حقائق سے محبت اور اچھا ہمسایہ ہونے کا حق مجھے یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ امریکہ کو دوسری جنگ عظیم کے پچھلے میں یاد دن

بڑے تاجروں اور صیہونیوں کی سزا امریکی عوام بھگت رہے ہیں



محاذ جنگ پر موشے دایان دیگر اسرائیلی فوجی افسروں کے ساتھ

پھنسنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اُسے جاپان سے تصادم مول لینے کی اور یورپ اور روس کی مدد کے لئے کود پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہٹلر اور ٹوجو نے امریکہ کے خلاف کوئی اشتعال انگیزی نہیں کی تھی۔ لیکن صورتحال اس کے برعکس تھی۔

امریکہ ہی تھا جو نومبر ۱۹۴۳ء میں ہونے والی قاہرہ کانفرنس کے اس فیصلے سے منحرف ہو گیا تھا کہ کوریا آزاد اور خود مختار ہو گا۔ اور جولائی ۱۹۴۵ء میں پوٹسڈم کانفرنس میں کوریا کو تسلیم کیا اور شمالی کوریا سوویت یونین کو پیش کر دیا۔ جہاں ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء کو اس کی فوجیں داخل ہو گئیں ۱۹۴۱ء سے اَب تک امریکی عوام جن مصائب سے دوچار ہیں اور آج بھی جو کچھ بھگت رہے ہیں اس کا سبب صدر روزویلیٹ کے عہدِ صدارت سے اَب تک امریکہ کی بدعنوان، ناعاقبت اندیش بڑے تاجروں اور صیہونیوں کی حامی قیادت ہے۔ ویت نام میں سات سال تک امریکیوں کی جب پٹائی ہوتی تب ان کے مشہور کالم نگار مسٹر اکسوپ کو "نیلے پانی کے تحفظ" کا نظریہ سوجھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بحیرۂ روم میں مصری اور شامی ساحلوں کے سامنے چھٹے بحری بیڑے کا خرام ناز "نیلے پانی کا تحفظ" ہے یا اواتل بیسویں صدی کے چین کی گن بوٹ ڈپلومیسی؟ اطلاعات تو یہ ہیں کہ ۱۴ اکتوبر کو ۱۵۰۔ امریکی پائلٹ مصر اور شام سے لڑنے کے لئے اسرائیل جاتے ہوئے میڈرڈ سے گذرے نارفوک میجر اسٹار نے ۱۱۔ اکتوبر کو اطلاع دی کہ ایک نیلا اور سفید بوئنگ ۷۰۷ طیارہ جس کی دم پر اسرائیل کا نشان بنا ہوا تھا۔ بم اور فضا سے فضا میں مار کرنے والے میزائل لے کر تل ابیب روانہ ہو گیا۔ باخبر ذرائع کے مطابق امریکہ نے اسرائیل کو ٹینک شکن گولے اور دیر آملول سمیت گولہ بارود کی فراہمی تیز کر دی ہے۔ ۱۳۔ اکتوبر کو امریکی حکومت کے ذرائع نے بتایا کہ امریکہ اسرائیل کو ان جیٹ لڑاکا طیاروں اور ٹینکوں کے عوض دوسرے طیارے اور ٹینک فراہم کرے گا۔ جو جنگ میں تباہ ہو گئے ہیں۔

صدر نکسن نے ۱۵۔ اکتوبر کو یہاں تک کہہ دیا کہ اسرائیل کی سلامتی اور آزادی کے تحفظ کے لئے امریکہ مشرق وسطیٰ میں فوجی مداخلت کے لئے بھی تیار ہے میں نکسن کے اس بیان پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرنا چاہتا۔ اسرائیل کو اس کی آزادی یا سلامتی سے کوئی محروم نہیں کرنا چاہتا۔ عرب ممالک اور خصوصاً مصر اور شام تو صرف اپنے ان علاقوں کی بازیابی کے لئے لڑ رہے ہیں جو جون ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے ہتھیا لئے تھے صدر انور سادات نے مصری پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے اپنی تقریر میں اس دھمکی سے قطع نظر کہ اگر اسرائیل نے مصر کے شہری ٹھکانوں پر بمباری بند نہ کی تو اسرائیلی شہروں کا صفایا کر دیا جائے گا۔ یہی بات کہی تھی۔ امریکہ اسرائیل کی سالمیت کا ضامن ہے یہ بات تو قابل فہم ہے لیکن ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے جو علاقے فتح کئے ہیں کیا امریکہ ان کا بھی ضامن ہے؟ ہمیں سب سے زیادہ الجھن نائب صدر جنرل آر فورڈ کے بیان سے ہوتی جنہوں نے اگینو کی جگہ سنبھالی ہے گذشتہ اتوار کو انہوں نے کہا کہ "ہم یقیناً اسرائیل سے کئے ہوئے تمام وعدے پورے کریں گے مجھے اُمید ہے کہ ہم جلد ہی مسئلے کو فوجی قوت سے حل کر لیں گے۔ پھر ہم اُسے سفارتی طور پر حل کریں گے۔ کسی مسئلے کو سفارتی طور پر اس وقت تک حل نہیں کیا جا سکتا جب تک آپ کے پاس اس کا فوجی حل بھی موجود نہ ہو" ادھر امریکہ کے پہلے یہودی وزیر خارجہ نے روس کو خبردار کیا ہے کہ مشرق وسطےٰ سمیت اگر کسی بھی علاقے میں غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا گیا تو مفاہمت ختم ہو جائیگی۔ امریکیوں نے ۱۹۴۱ء سے اَب تک جتنی بے مقصد اور غیر ضروری جنگیں لڑی ہیں ان کا ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔ اتنا اور کہوں گا کہ ان جنگوں میں ملوث ہونے کی ذمہ داری امریکی عوام پر ہرگز نہیں اس کی ذمہ دار روزویلیٹ، ٹرومین، کینیڈی اور نکسن کی حکومتیں ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ وائٹ ہاؤس اور واشنگٹن بھی نہیں بلکہ وال اسٹریٹ اور نیویارک، لندن اور پیرس کے صیہونی

برلا نیپال کی جنگ کے بعد ہی بر لا بنے

کنسورشیم کے اجارہ دار، سرمایہ دار امریکی عوام کو جنگوں میں جھونک دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خواہ وہ یورپ بحرالکاہل کوریا، ویت نام، یا کیوبا ہو یا اب اسرائیل ہر جگہ امریکی فوجیوں کو جنگ کی بھٹی کا ایندھن بنا دیتے ہیں۔

تاس نے نیویارک سے اطلاع دی ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کی دوہری شہریت رکھنے والے امریکی فوجی اسرائیل کے اگلے مورچوں پر دیکھے گئے ہیں۔ تاس نے امریکی پریس سروس کے حوالے سے بتایا ہے کہ تقریباً تیس ہزار امریکی شہری جن میں سے اکثر کو ویت نام کی جنگ کا تجربہ ہے اسرائیل جانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہنری کیسنجر نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر روس نے عرب ملکوں کی مدد کے لئے فوج بھیجی تو امریکہ بھی بھیجے گا۔ بے چارے امریکی عوام!

ان پر غصہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ ہمدردی اور رحم کے مستحق ہیں۔ ان کا مقدر یہی ہے لارڈ ٹینی سن نے اپنی نظم "چارج آف دی لائیٹ بریگیڈ" میں ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا تھا۔

THEIRS NOT TO MAKE REPLY,
THEIRS NOT TO REASON WHY,
THEIRS BUT TO DO AND DIE,
INTO THE VALLEY OF DEATH,
RODE THE SIX HUNDRED.

آیئے میں آپ کو پرل ہاربر، خلیج ٹونکن اور بے آف پگز کے حملوں کا پس منظر بتاؤں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ وال اسٹریٹ کے اجارہ دار، سرمایہ دار، صیہونی سرمایہ پرستوں اور کونسل آف فارن ریلیشنز نیویارک کے جنگ بازوں کا ذہن کس طرح کام کرتا ہے۔

ہٹلر عالمی جنگ نہیں چاہتا تھا وہ پولینڈ کے ساتھ اپنی سرحدیں درست کرنا چاہتا تھا جب اس نے یہ کر لیا تو برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور پھر فرانس نے بھی کر دیا۔ ہٹلر جنگ میں اپنے خلاف امریکہ کی بھی صف آرائی سے خائف تھا۔ امریکی عوام بھی اس وقت تک جنگ نہیں چاہتے تھے تاوقتیکہ جرمنی، جاپان ان پر حملہ نہ کریں۔ امریکہ نے اتحادیوں کو اسلحہ دیا۔ واشنگٹن نے برطانیہ کو پچاس جنگی جہاز دیئے انہوں نے جرمنوں کی آبدوزیں بھی ڈبوئیں۔ یہ سب انتہائی غیر فطری اور اشتعال انگیز حرکتیں تھیں لیکن ہٹلر نے اس کے باوجود انتہائی ضبط و تحمل کا ثبوت دیا۔ اور مشتعل نہ ہوا۔ چنانچہ روزویلٹ اینڈ کمپنی نے عقبی دروازے سے جنگ میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا ستمبر ۱۹۴۰ء میں جرمنی اٹلی اور جاپان کے درمیان ایک سہ فریقی سمجھوتہ ہوا تھا۔ امریکہ نے سازش کی کہ کسی نہ کسی طرح جاپان کو پرل ہاربر پر حملہ کرنے پر مجبور کیا جائے۔ امریکہ کے سیکرٹری آف وار مسٹر ہنری اسٹینلسن نے ۲۵۔ نومبر ۱۹۴۱ء کو اپنی ڈائری میں لکھا۔

"اصل سوال یہ تھا کہ کس طرح ہم جاپانیوں کو ہم پر پہلی گولی چلانے پر مجبور کریں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ہمیں زیادہ نقصان نہ پہنچے۔ یہ ایک کٹھن کام تھا" ان دنوں ٹوکیو میں امریکی سفیر جوزف سی گریو نے امریکی سیکرٹری خارجہ مسٹر کورڈیل ہل کو ایک بڑا جذباتی خط لکھا جس میں انہوں نے کہا۔

"میں پوری قوت کے ساتھ آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ جاپان اور امریکہ کے درمیان قطعی بے مقصد جنگ سے گریز کیا جائے۔ آج تو مورا، ساہورو، کروسو، مستلو کا اور پرنس کو نوائی سمیت تمام جاپانی رہنما اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ محوری طاقتوں کے معاہدے میں جاپان کی شرکت کو کالعدم قرار دے دیا جائے۔ صدر روزویلٹ نے بارہا امریکی عوام کو یقین دلایا کہ وہ امریکی فوجیوں کو غیر ملکی سرزمین پر لڑی جانے والی جنگ میں نہیں جھونکیں گے تاوقتیکہ ہم پر حملہ نہ کیا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے وزیر اعظم چرچل کو یقین دلایا تھا کہ امریکہ کسی نہ کسی طرح جنگ میں شامل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا تھا کہ "ہو سکتا ہے۔ میں اعلان جنگ نہ کروں، لیکن میں جنگ میں حصہ لوں گا۔"

اور ہوا بھی یہی۔ جاپانی ٹاسک فورس کو ہدایات ملی تھیں کہ اگر وہ امریکیوں کو چوکس پائے تو پرل ہاربر پر حملہ نہ کرے اور واپس آ جائے۔ ادھر امریکیوں نے جاپانیوں کا "عنابی کوڈ" حل کر لیا تھا۔ اور انہیں جاپانی ٹاسک فورس کی نقل و حرکت کا پورا علم تھا۔

واشنگٹن نے پرل ہاربر کے کمانڈنگ افسر جنرل والٹر سی شارٹ اور نیول کمانڈر ہز بینڈ ری کمل کو بھی جاپانی ٹاسک فورس کے متوقع حملے کی اطلاع بروقت نہیں دی کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر جاپانیوں کو شبہ ہو گیا تو وہ ایک بھی گولی چلائے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ چنانچہ واشنگٹن کی اس سنگدلی کے نتیجے میں پرل ہاربر میں ۳۴۰۳ افسر اور جوان مارے گئے۔ ۱۲۷۲ زخمی ہوئے ۸ بڑے جہاز ڈوب گئے یا انہیں شدید نقصان پہنچا اور ۸۰ طیارے تباہ ہوئے لیکن مطلوبہ مقصد حاصل ہو گیا امریکہ اس اہم جنگ میں نہ صرف جاپان بلکہ جرمنی اور اٹلی کے خلاف کود پڑا۔ اس میں امریکی عوام کا یہ جوش و خروش بھی شامل تھا کہ اس طرح امریکہ یورپ میں یہودیوں کو گیس چیمبر میں ہلاک کرنے کا دور ختم کر دے گا۔ دوسری جنگ عظیم کی قیمت امریکہ کو دو لاکھ ۹۲ ہزار افراد کی موت، چھ لاکھ ۷۲ ہزار زخمیوں ۳۵۰ ارب کے مالی نقصان کی صورت میں ادا کرنا پڑی۔

اب ۱۷، اپریل ۱۹۶۱ء کو بے آف پگز کا معاملہ دیکھئے امریکہ کو اپنے بھاڑے کے سپاہیوں کے ذریعے کیوبا پر حملہ

کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ جس کے نتیجے میں ۱۲۰۰ افراد زخمی یا قید ہوئے۔ اور کانگریس اور امریکی اخبارات میں سی آئی اے اور وائٹ ہاؤس کے خلاف ایک طوفان برپا ہو گیا۔ صدر کینیڈی نے ایک بیان دیا جس میں پوری دیانتداری سے انہوں نے ساری ذمہ داری اپنے سر لے لی، اور یہ وعدہ کیا کہ آئندہ امریکہ کیوبا کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔ ایک سال چند ماہ بعد ہی اکتوبر ۶۲ء میں امریکہ نے کیوبا کو پانچ کروڑ ڈالر کی ادویات بھیجیں اور اپنے ۱۱۱۳ جنگی قیدیوں کو چھڑوایا۔

اب ویت نام کی طرف آیئے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ۴ اگست ۶۴ء کو خلیج ٹونکن میں امریکہ کے دو تباہ کن جہازوں پر شمالی ویت نام کی جنگی کشتیوں کے حملے کی داستان صحیح ہے یا اسی طرح گھڑی ہوئی ہے جیسے جرمنوں نے یکم ستمبر کو جرمن سپاہیوں کو پولینڈ کی فوجی وردی پہنا کر پولینڈ کی فوجی وردی پہنا کر پولینڈ کی سرحد پر جرمن سپاہیوں پر حملے کے لئے بھیجا تھا۔ بہر حال صدر جانسن نے شمالی ویتنام پر جوابی حملہ کرنے کا حکم دیا اور ویت نام میں جنگ شروع ہو گئی۔ یہ جنگ سات سال جاری رہی۔ اس جنگ میں ۴۶۹۳۲ امریکی ہلاک ہوئے ۳,۱۳,۶۱۶ زخمی ہوئے ۵۸۹ جنگی قیدی بن گئے۔ ۱۲۲۳ لاپتہ ہو گئے۔ امریکہ نے ۷۵ لاکھ ٹن بم برسائے اس جنگ پر ۱۲۰ ارب ڈالر خرچ آئے۔ شمالی اور جنوبی ویتنام کے دس لاکھ سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ ہر ۳۵ میں سے ایک آدمی ہلاک، پندرہ میں سے ایک زخمی ہوا۔

جنگ سے امریکہ میں فائدہ کون اٹھاتا ہے؟ وال سٹریٹ بین الاقوامی بینکار، اجارہ دار سرمایہ دار، صیہونی، بڑے تاجر، بمبار طیارے، ٹینک بم، اسلحہ اور ساز و سامان تیار کرنے والے ادارے۔ اگر جنگ نہ ہو تو یہ ادارے کیسے پھلیں پھولیں۔ جنگوں کے نتیجے میں دولت کی تقسیم میں زبردست عدم مساوات پیدا ہوتی ہے۔ جنگ امیروں کو امیر تر اور غریبوں کو غریب تر بنا دیتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی آج جو لوگ بڑے تاجر اور سرمایہ دار بنے ہیں وہ جنگ کی بدولت ہی بنے ہیں۔ برطانیہ کی جنگ کے بعد ہی بر لا بنے یہی حال دوسروں کا ہے

■

فلسطینی رہنماؤں کے قتل کا منصوبہ ناکام ہو گیا

لسبرگ کون تھا۔ کیا منصوبہ لے کر بیروت پہنچا تھا؟

عرب اسرائیل جنگ سے قبل اسرائیل کی حالیہ سیکرٹ سروس نے فلسطینی فدائین کے اعلیٰ رہنماؤں کو لبنان میں قتل کرنے کا ایک بھیانک منصوبہ تیار کیا تھا اس بات کا انکشاف ۱۰ جولائی ۱۹۷۳ء کو ایک اسرائیلی ایجنٹ لسبرگ کی گرفتاری کے بعد ہوا۔

فلسطینی رہنماؤں کے قتل کا منصوبہ ۱۰ اپریل کو بیروت پر اسرائیلی دستے کے حملے کے بعد تیار کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی

اسرائیلی ایجنٹوں نے بیروت میں تین فدائین کو قتل کر دیا

تین فلسطینی فدائین کو ان کے کمرے میں بندوق سے فائر کر کے شہید کر دیا گیا۔ دوسرے دن جب ان کے کمرے کھولے گئے تو ان میں ان کی خون آلود لاشیں پڑی تھیں۔

۱۰ جولائی کو لبنانی حکام نے لبنان کے شہر تریپولی کے شمالی علاقے سے ایک اسرائیلی ایجنٹ الریچ لسبرگ کو گرفتار کیا لسبرگ خود کو ہوہنزولرن کا شہزادہ بتا کر لبنان میں تقریباً پانچ ماہ سے مقیم تھا۔ وہ تریپولی پولیس کو فراڈ کے ایک واقعہ میں بھی مطلوب تھا

اس منصوبے کے مطابق لبنانی حکام اور فلسطینی فدائین کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے لسبرگ یہ بات مشہور کرنے والا تھا کہ اسے اغوا کر لیا گیا اغوا کے اس جھوٹے ڈرامہ سے لبنانی اور سیکورٹی فوج کی ایک بڑی تعداد شمالی علاقہ میں اس کی تلاش میں مصروف ہو جاتی۔ اس طرح موقع پا کر اسرائیلی دستے آسانی سے لبنان میں اتر جاتے۔

لسبرگ نے اپنے منصوبے کے مطابق پانچ کاریں حاصل کر لیں۔ ان کاروں کو تریپولی کے اہم مقامات پر کھڑی کر کے اسرائیلی دستوں کی نقل و حرکت کے لئے ان سے سگنل کا کام لینا تھا۔ ... کے بعد ان کاروں کے ذریعے اسرائیلی ایجنٹوں کو فلسطینی کیمپ باداوی اور نہر البارید پہنچانا تھا۔ ان ایجنٹوں کے ذمہ یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ اس جگہ پہنچ کر کامیابی سے فلسطینی فدائین کے چیدہ چیدہ رہنماؤں کو گولیوں کا نشانہ بنائیں۔

ادھر فلسطینی فدائین کی سیکرٹ سروس بھی لسبرگ پر کڑی نظر رکھ رہی تھی۔ کیونکہ بیروت کے ہوٹلوں میں وہ جس شاہانہ انداز سے زندگی گزار رہا تھا وہ فدائین کو خبردار کرنے کے لئے بہت کافی تھا۔ ایک دن اس کی عدم موجودگی میں فدائین اس کے کمرے کی تلاشی لینے میں کامیاب ہو گئے انہیں وہاں سے بہت قیمتی دستاویزات اور معلومات حاصل ہوئیں۔ ساتھ ہی یہ راز بھی فاش ہو گیا کہ وہ اسرائیلی ایجنٹ ہے، اور وہ فلسطینی رہنماؤں کے قتل کا منصوبہ ساتھ لے کر آیا ہے۔ فدائین نے اس کی اطلاع لبنانی حکام تک پہنچا دی چنانچہ لبنانی فورس نے اچانک اس کے خفیہ ٹھکانے پر چھاپہ مار کر اسے اس کے تین ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا۔

لسبرگ منصوبہ کے مطابق اسرائیلی دستوں کو ۱۱ جولائی کو لبنان میں اترنا تھا۔ لیکن راز فاش ہو جانے سے اسرائیل نے اپنا منصوبہ تبدیل کر دیا۔

اس طرح اسرائیل نے عرب فدائین کو بڑے پیمانے پر قتل کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا وہ لسبرگ کی غیر متوقع گرفتاری سے ناکام ہو گیا۔

مشرق وسطیٰ کی جنگ

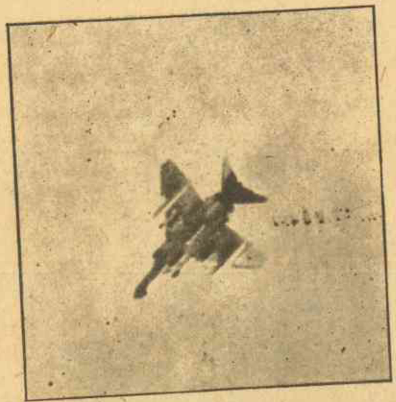
تصویری آئینے میں



جولان کی ایک اہم چوکی جبل الشیخ پر شامی فوجوں نے [illegible]



سینائی کے محاذ سے گرفتار کئے جانیوالے اسرائیلی قیدی !





اسرائیلی طیارہ دمشق کی شہری
آبادی پر بمباری کر رہا ہے

اسرائیلی طیاروں نے وحشیانہ
بمباری کر کے دمشق میں آئل
ریفائنری کو تباہ کر دیا !!





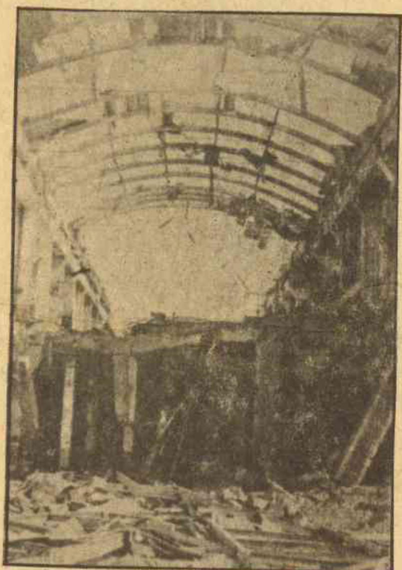
سام میزائل اپنے شکار پر جھپٹنے کے لئے تیار ہے



صحرائے سینائی میں اسرائیل کا تباہ شدہ ٹینک



دمشق کے قریب اسرائیل کا ایک تباہ شدہ طیارے کا ٹکڑا



اسرائیل کی بمباری نے دمشق کا یہ علاقہ تباہ کر دیا!



اسرائیلی پائلٹ کی لاش جسے زنجیروں میں باندھ کر شام کے محاذ پر بھیجا گیا تھا

Regd No : S - 2772
25 oct, 1 st Nov 1973 Weekly "Al - Fatah" Karachi